فصل الخطاب

اقتباس: احادیث مقدسہ
بمعہ تشریح و توضیع

حصہ دوم

انتخاب: صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول للّٰہی
نقشبندی مجددی قادری للّٰہی، للّٰہ شریف، ضلع جہلم

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً

فصل الخطاب

(حصہ دوم)

انتخاب:- احادیث مقدسہ بمعہ تشریح و توضیح

صاحبزادہ الحاج حافظ محمد مطلوب الرسول نقشبندی قادری، للّٰہی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ للہ شریف (جہلم)

بہ سعی

حافظ گلزار حسین نقشبندی للہ شریف (جہلم)

الله
بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب	فصل الخطاب حصہ دوم
مصنف	صاحبزادہ محمد مطلوب الرسول للّٰہی
موضوع	انتخاب احادیث مبارکہ
طباعت	ماہ جولائی ۲۰۰۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
تعداد	۵۰۰
کمپوزنگ بذریعہ کمپیوٹر	ملک محمد عبدالقدوس آف راولپنڈی
پہلا ایڈیشن	جولائی ۲۰۰۱ء
طباعت و نگرانی	ملک محمد عبدالقدوس آف راولپنڈی
ہدیہ	۱۲۵ روپے
طباعت	محمود برادرز پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی

ملنے کا پتہ

۱- دارالعلوم جامعہ مقبولیہ، مطلوبیہ، بند شریف ضلع جہلم

۲- حافظ عبدالعلیم صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد حیات النبیؐ، لائن پارک چکوال

اُس محسنِ انسانیت کے نام

جس کا وجود باجود باعثِ تخلیقِ کائنات ہوا ۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اے شرفِ آلِ آدمؑ و وے فخرِ انبیاءؑ

اَنْتَ الَّذِیْ وَصَالُکَ لِیْ غَایَۃُ الْمُنٰی

(پیر قصوری)

ترجمہ :- اے آدم علیہ السلام کی اولاد کے شرف اور تمام انبیاء علیہم السلام کے فخر، آپ ﷺ ہی وہ ہیں کہ آپ ﷺ کا وصال (ملاقات) میری انتہائی آرزو ہے۔

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

مقدمۃ الکتاب

فصل الخطاب حِصّہ اول کو جس قدر پذیرائی ہوئی وہ عنایت خداوندی ہے اور ہدیہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسی پذیرائی سے حوصلہ پا کر مزید قلمکاری کے لئے آمادگی ہوئی اور حصہ دوم کا کام شروع کیا گیا۔

فصل الخطاب حِصّہ دوم بھی حصہ اول کی طرح احادیث کا مجموعہ ہے جو حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح سے منقول وماخوذ ہے۔

مشکوٰۃ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کتاب کی جمع و تدوین میں دو بزرگوں کی علمی کاوشوں کو دخل حاصل ہے یہ کتاب شرق و غرب کے اہلِ علم طبقے میں اپنی تدوین کے لحاظ سے یکساں طور پر مقبول ہے۔ اپنی احادیث کے پیش نظر ہمارے قدیم نصاب درسِ نظامی میں شامل ہے۔

کتاب کے مؤلف کا نام محمد اور لقب ولی الدین ہے۔ آپ تبریز میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے خطیب تبریزی کے نام سے مشہور ہوئے آپ آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ آپ کو اپنے وقت کے نامور علماء سے حصولِ علم کا شرف حاصل ہوا آپ علم کے ساتھ ساتھ عمل و تقویٰ اور اخلاص میں بھی ممتاز تھے۔ آپ کی تعریف اور شان میں علماء نے بہت سے قصیدے لکھے۔ آپ کی ولادت اور وفات کا صحیح تعین نہ ہو سکا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ آپ کا انتقال ۷۴۰ ھ ہجری کے بعد ہوا جیسا کہ آپ کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے کتاب مصابیح جو محی السنہ ابو محمد حسین کی تصنیف ہے کی تکمیل کر کے اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ صاحبِ مصابیح نے حدیث شریف کی چودہ کتابوں کا

ایک مجموعہ مدوّن کیا۔

مصابیح کے ہر باب کے تحت دو فصلوں کا التزام کیا گیا۔ فصل اول کے لئے صحیحین (بخاری و مسلم) سے احادیث منتخب کی گئیں جبکہ فصل ثانی میں دیگر بارہ جوامع و مسانید سے انتخاب درج کیا گیا۔ مصابیح میں درج شدہ احادیث کی اسناد کا ذکر مفقود تھا جبکہ علماءِ احادیث کے ہاں مراتبِ حدیث سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔

چنانچہ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ نے اسی علمی ضرورت کا شدت سے احساس کرتے ہوئے مصابیح کی ہر حدیث کی سند کا ذکر کیا اور ساتھ ہی ہر باب میں فصلِ ثالث کا اضافہ کیا جس میں بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث کا بھی انتخاب درج کیا گیا اس نو ترمیم شدہ مجموعہ کو انہوں نے مشکوٰۃ المصابیح سے موسوم کیا۔

اس جگہ بطور اختصار حدیث کی اقسام کا ذکر کرنا بھی نہایت مناسب ہوگا۔

شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول و فعل پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو حدیث نبی کریم ﷺ تک پہنچے اس کو مرفوع کہتے ہیں اور جس کی سند صحابی تک پہنچے اس کو موقوف کہتے ہیں۔

حدیث کی اصل تین قسمیں ہیں "صحیح، حسن، ضعیف" صحیح سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے ضعیف ادنیٰ ہے اور حسن متوسط درجہ ہے۔ صحیح حدیث کے مختلف مراتب و درجات ہیں اگر اس کا راوی ایک ہے تو وہ غریب ہے اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ مشہور ہے کسی حدیث کے رواۃ کی کثرت اگر اس حد تک بڑھ جائے جس پر کذب پر متفق ہونا محال ہو تو اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ ضعیف حدیث وہ ہے جس میں وہ شرائط مفقود ہوں جو صحیح یا حسن حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یا ان میں بعض مفقود ہوں اور اس کے راوی کی کسی علت کی وجہ سے مذمت کی گئی ہو۔ صحیح حدیث کا احکام میں حجت ہونا

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ہے۔

مشکوۃ المصابیح ایسی اہم علمی اور بنیادی کتاب میں سے بعض احادیث کا انتخاب اور پھر اردو ترجمہ اور تشریح ایک علمی اور دینی ضرورت ہے۔ جس پر اس ناچیز نے علمی کم مائیگی کے باوجود پوری سعی و ہمت سے اس اہم ضرورت پر قلم اٹھائی اور حضرت مفتیٔ اعظم علامہ احمد یار گجراتی ؒ کی تصنیف مراۃ المناجیح سے پورا استفادہ کیا (میرے دونوں مجموعے اسی کتاب کے مرہون منت ہیں) اس ضرورت کی تکمیل میں میرے عزیز حافظ گلزار حسین کی مکمل معاونت حاصل رہی جنہوں نے پوری دلچسپی سے میرے اس کام کو انتہا تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ فَجَزَاہُ اللّٰہ ۔

الحمد للہ کہ میں اپنے فرضِ منصبی سے عند اللہ و عند الناس سرخرو ہو رہا ہوں بلا شُبہ علومِ عالیہ کی اشاعت و تبلیغ اپنے جلیل القدر اسلاف سے بطور وراثت منتقل ہوئی جس کی ذمہ داری کسی حد تک پوری ہونے پر مجھے فخر ہے میری اس خدمت سے کسی ایک کلمہ گو کی بھی دینی ضرورت پوری ہوئی تو یقیناً میرے لئے سعادت دارین کا وسیلہ ہوگی۔

وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہ

؎ مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند بر حال ایں مسکیں دعائے

صاحبزادہ محمد مطلوبُ الرّسول للّہی

۲۳ اگست ۲۰۰۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

☆ حدیث = ۱

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اِنَّ اَبَا بَکْرِ الصِّدِّیْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰی اَقْدَامِ الْمُشْرِکِیْنَ عَلٰی رُؤُسِنَا وَ نَحْنُ فِی الْغَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ اَحَدُھُمْ نَظَرَ اِلٰی قَدَمِہٖ اَبْصَرَنَا قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ (مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ ابن مالک سے روایت ہے کہ جناب ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سروں کے اوپر مشرکین کے قدم دیکھے جبکہ ہم غار میں تھے، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر ان میں سے ایک بھی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہم کو دیکھ لے گا، فرمایا اے ابو بکر ؓ تمہیں ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

(بخاری و مسلم)

☆ تشریح

حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق ہے۔ صادق وہ جو زبان کا سچا ہو، صدیق وہ جو نیت، ارادہ، زبان، ہاتھ، پاؤں غرضیکہ سارے ظاہر و باطن اعضاء کا سچا ہو۔ صادق وہ کہ جیسا واقعہ ہو ویسا بیان کرے۔ اور صدیق وہ کہ جیسا کہے ویسا ہی ہو جائے۔ اسی لئے شاہی ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہا۔ جبکہ اس نے دیکھا کہ جو آپ نے کہا تھا وہی ہوا عرض کیا۔ یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ حضرت صدیق اکبرؓ نے مالک بن سنان کے متعلق جو کہا تھا وہی ہوا کہ وہ شہید ہونے کے بعد زندہ ہو کر آئے۔ (کتب تواریخ میں وضاحت موجود ہے)

اَبْصَرُنَا (ہم کو دیکھ لے) جب ہجرت مدینہ کی رات حضور انور ﷺ کا سرِ انور گود میں لے کر صدیق اکبرؓ غار ثور میں بیٹھے تھے اور مشرکین عرب اس غار کے دروازے پر پہنچ گئے تب آپؓ نے نہایت خوف کی حالت میں کہا تھا کہ اگر کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو ہم کو دیکھ لے گا۔ صدیق اکبرؓ کو اس وقت اپنی جان کا خوف نہیں تھا بلکہ اپنی جان تو آپ پہلے ہی فدا کر چکے تھے کہ اکیلے اندھیرے غار میں گھس گئے۔ سانپ سے کٹوالیا، خوف تھا تو حضور ﷺ کی تکلیف کا تھا۔ یہ خوف بہترین عبادت تھا جس پر ساری عبادات قربان ہوں۔

اپنی جان سے بڑھ کر اپنے محبوب آقا حضرت محمد ﷺ کی تکلیف کا احساس عین ایمان ہے۔

اَللّٰہُ ثَالِثُھُمَا (جن کا تیسرا اللہ ہے) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کی یہ گفتگو رب تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ قرآن مجید میں ان الفاظ سے

نقل فرمایا - اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ)

ترجمہ = جب وہ دونوں غار میں تھے تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھی کو فرمایا کہ خوف نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس واقعہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے چند فضائل بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں - صدیق اکبرؓ کو حضور ﷺ کا ثانی (دوسرا) کہا گیا، پھر انہیں تیسرا کون کرے۔

لِصَاحِبِهٖ = آپؓ کو صحابی فرمایا گیا آپؓ کی صحابیت قطعی یقینی ہے۔ صدیق اکبرؓ کو یارِ غار کہا گیا یعنی حضور ﷺ کا گہرا دوست و غار کا ساتھی۔

حضور ﷺ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جیسے اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ ہے، ایسے ہی صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی ہے۔ یعنی جو ان دونوں کے دامن سے الگ ہو اللہ اس کے ساتھ نہیں۔ (مرآت)

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا کہنا عین ایمان ہے اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ معجزہ اس لئے بنا کہ حضور ﷺ کی خبر کے مطابق کفار دونوں حضرات کو نقصان نہ پہنچا سکے - مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈے کے ذریعے رب نے ان کو کفار سے بچالیا۔ (مرقات)

دوسرا یہ کہ حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی گفتگو کفار نے نہ سنی اور کفار کی گفتگو جناب صدیق اکبرؓ غار میں سنتے رہے۔

سبحان اللہ اس رات جب صدیق اکبرؓ حضور علیہ السلام کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھے ہونگے اور خوب جی بھر کر چہرہ انور کو دیکھتے ہونگے اس وقت ان کے دل کا کیا حال ہوگا۔ وہ تو ایسی عبادت کر رہے تھے جو عرش و فرش پر کوئی نہ کر رہا تھا ان کا زانو حضور علیہ السلام کی رحل بنی ہوئی تھی و سامنے جمال یار تھا۔

کمال ذات احمدؐ را چہ میداند بو جہلاں

زیار غار وے پرسی کہ صد شرح و بیاں وارد

ترجمہ = ابوجہل قسم کے لوگ حضور علیہ السلام کا علو شان کیا جانیں۔ ان کے یار غار سے پوچھو کہ ہر ادا پر سو سو شرح و بیان رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ کفار مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو حضور انور علیہ السلام کو گرفتار کر کے یا شہید کر کے ہمیں ثبوت دے گا تو اسے سو اونٹ انعام ملے گا۔ چنانچہ سراقہ ابن مالک ابن جعشم مدلجی کنانی آپہنچے۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی تو سراقہ اپنے گھوڑے سمیت پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا۔ (مرآت)

دلدل یا گہری ریت والی زمین میں دھنس جانا ممکن ہے مگر سخت زمین میں معجزہ ہے۔ سراقہ دل میں ایک بار توبہ کرتے تو زمین چھوڑ دیتی پھر لالچ آتا تو دوبارہ دھنس جاتے۔ تیسری بار حضور علیہ السلام سے امان طلب کی اور وعدہ کیا کہ آپ آرام سے سفر فرمائیں۔ میں اس طرف کسی کو نہ آنے دونگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سراقہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں چنانچہ دور فاروقی میں آپؓ نے وہ کنگن پہنے۔ اللہ کی شان ہے کہ جو گرفتار کرنے آیا وہ خود حضور علیہ السلام کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ جو پکڑنے آیا وہ محافظ بن گیا۔

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا"

جب انہوں نے مشرکوں کے آثار واقدام دیکھے" کہ ان کا ہمیں دیکھ لینا آسان ہے ،اگر وہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور ہماری مدد اور نصرت کرنے والا ہے۔ ہم دو ہیں ہمارا معین وناصر تیسرا ہے۔ واقدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ مشرکوں میں سے ایک شخص ننگا ہو کر غار کے دروازے پر پیشاب کرنے لگا۔ تو ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے ہمیں دیکھا ہوتا تو وہ شرمگاہ ننگی نہ کرتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

(تفہیم البخاری)

داستانِ عشقِ رسول ﷺ کے حرفِ اول حضرت صدیق اکبرؓ کو نماز میں ، غار میں، ہجرت میں، غزوات میں حتیٰ کہ مزار اقدس میں اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب نصیب رہا۔

☆ حدیث نمبر ۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَكَانَ يَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ اَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اَنِّيْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْهِ عَلٰى يَدَيْ قَالَ فَلَقِيَهٗ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اَعِدْ عَلَیَّ کَلِمَاتِکَ ھٰٓؤُلَآءِ فَاَعَادَھُنَّ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْکَھَنَۃِ وَقَوْلَ الشَّعَرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ کَلِمَاتِکَ ھٰٓؤُلَآءِ وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ ھَاتِ یَدَکَ اُبَایِعْکَ عَلَی الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَایَعَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب علامات النبوۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ آئے اور یہ ازد شنوءہ سے تھے۔ اس قسم کی ہوا سے جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ انہوں نے مکہ کے بے وقوف باشندوں کو کہتے سنا کہ حضور ﷺ دیوانہ ہیں، تو بولے ان صاحب کو میں دیکھ لیتا ہوں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ انہیں میرے ہاتھ پر شفا دے۔ فرماتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ سے ملے وہ بولے اے محمد (ﷺ) میں اس خلل والی ہوا سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں، کیا یہ آپ کو ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت

دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ، اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں ، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اس کے رسول ہیں اس کے بعد - پھر ضماد نے کہا اپنے یہ کلمات دوبارہ فرمایئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے سامنے یہ کلمات تین بار لوٹائے ، وہ بولا کہ میں نے کاہنوں کی باتیں، شاعروں کے قول سُنے ہیں مگر میں نے آپ ﷺ کی ان باتوں کی مثل کبھی نہیں سنیں یہ تو سمندر کی تہہ کو پہنچی ہوئی ہیں - اپنا ہاتھ لایئے میں اسلام پر آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں - فرمایا اس نے بیعت کرلی - (مسلم)

☆ تشریح

بعض شارحین کہتے ہیں کہ ضماد اور ضمام ایک ہی شخص کے دو نام ہیں - مگر یہ صحیح نہیں ضمام ابن ثعلبہ بنی سعد بن بکر قبیلہ سے ہیں - اور ضماد بن ثعلبہ قبیلہ ازد سے ہیں - انہیں طلب علم کا بہت شوق تھا دم ، منتر بھی خوب کرتے تھے - (اشعۃ)

ضماد دیوانوں پاگلوں پر دم کیا کرتے تھے - سبحان اللہ انہیں اسی علم نے حضور ﷺ تک پہنچایا اور مسلمان بنا دیا - جیسے فرعونی جادوگروں کو ان کے علم جادو نے موسیٰ علیہ السلام تک پہنچایا اور انہیں ایمان نصیب کر دیا - معلوم ہوا کہ علم کوئی بھی برا نہیں ، کبھی یہ علم ایمان و معرفت کا ذریعہ بن جاتا ہے - "ہوا" سے مراد یا تو جنون ہے یا جن - اہل عرب جنات کو ہوا کہتے تھے - چنانچہ فلاں کو ہوا ہو گئی یہ اس وقت بولتے تھے جب اس پر جنات کا خلل ہو گیا ہوتا - سبحان اللہ ضماد جا تو رہے ہیں

علاج کرنے کی نیت سے مگر حقیقتاً علاج کرانے جارہے ہیں- وہ سمجھے کہ طبیب بیمار کے پاس جارہا ہے مگر واقعتاً بیمار حکیم کے پاس پہنچ رہا تھا-

ضماد حضور انور علیہ السلام کو ہر طرح سے ٹھیک دیکھ کر سمجھا کہ شاید آپ ﷺ کو جنات کا دورہ پڑا کرتا ہے ، اس وقت دورہ نہیں ہے ، اس لئے آپ ﷺ ہوش میں بیٹھے ہیں- تب ہی تو اس نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا میں آپ کا علاج کروں- تو جواب میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات یعنی اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ------ اَمَّا بَعْدُ بطور خطبہ ارشاد فرمائے "اَمَّا بَعْدُ" کے بعد تلاوت قرآن مجید فرمانا چاہتے تھے ، ضماد کو سنانے کیلئے ، مگر ضماد کو خطبہ سے ہی ایمان مل گیا- قرآن مجید تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئی ، خطبہ کی فصاحت وبلاغت نے ضماد کے ہوش اڑا دئے وہ وارفتگی کی حالت میں بول اٹھے کہ ایک بار یہ کلام اور سنا دیجئے- کلمات شاندار مگر بزبان رسول اللہ ﷺ جو سونے پر سہاگہ ہے- آپ ﷺ نے یہ کلمات تین بار دہرائے- معلوم ہوا تین بار میں خاص برکت ہے- اعضاء دھوؤ تو تین بار ، قُلْ ھُوَاللّٰہُ پڑھو تو تین بار اس طرح ختم قرآن کا ثواب ملے گا- حضور انور ﷺ دعا بھی تین بار فرماتے تھے-

خطبہ کے کلمات نے ضماد کو بتلا دیا کہ آپ ﷺ نہ ساحِر ہیں نہ شاعر بلکہ سچے رسول ہیں- خیال رہے کسی نے متکلم سے کلام کو پہچانا مگر ضماد نے کلام سے متکلم کی شان معلوم کی-

وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ (یہ تو سمندر کی تہہ کو پہنچی ہوئی ہے)

قاموس بنا ہے قمس سے بمعنیٰ گہرائی اس لئے غوطہ خور کو قماس بھی کہتے ہیں اور غواص بھی یعنی ان پیارے کلمات کی فصاحت وبلاغت دریاء معرفت

کی تہہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ جہاں کسی انسان کے فکر و وہم نہیں پہنچ سکتے یہ کلمات انسانی نہیں بلکہ القائے ربانی ہیں۔ (مرآت)

جب ضماد ایمان لا کر کفارِ مکہ کے پاس واپس ہوئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہو کیا گذری؟ جواب دیا کیا گذرنا تھی دیکھتے ہی مسئلہ حل ہو گیا کہ یہ سایہ وہ نہیں (جو میں اور آپ سمجھتے تھے) بلکہ اللہ کا سایہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

ترجمہ = تیرا ملنا ہی ہر سوال کا جواب ہو گیا اور بغیر گفتگو کے ہر مشکل حل ہو گئی۔

خیال رہے کہ حضور انور ﷺ نے ضماد کی بات کا جواب نہ دیا، اپنی صفائی بیان نہ فرمائی کہ میں دیوانہ نہیں ہوں لوگ غلط کہتے ہیں بلکہ حضور ﷺ کے کلمات نے آپ ﷺ کی شان ظاہر کر دی کہ جس کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات ایسے ہوں سمجھ لو کہ وہ ذات کریمہ کیسی ہے، خوش نصیب تھے وہ جو سب کچھ لے گئے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیعت ہوتے وقت کہ مرید شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور زبان سے بیعت کرے، دیکھو ضماد نے عرض کیا کہ حضور اپنا ہاتھ لائیں تا کہ میں بیعت کروں۔ بیعت چار قسم کی ہے، جن میں سے ایک اسلام کی بیعت ہے، توبہ کی بیعت، سلوک کی بیعت، خلیفہ کی اطاعت کی بیعت۔

(مرآت)

شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اسلام میں بیعت کا اطلاق دو چیزوں پر کیا جاتا ہے ایک خلیفہ یا امیر کی بیعت اور دوسری مردِ صالح یا مرشد کی بیعت کرنا، بیعتِ مرشد

کا تصور اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے - یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ)

ترجمہ = اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

امام احمد رضا قادری فتاویٰ افریقیہ میں شیخِ طریقت کی چار شرطیں بیان فرماتے ہیں -

۱- مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو-

۲- عقائد کے دلائل اور احکامِ شرعیہ کا عالم ہو حتیٰ کہ پیش آمدہ مسائل کا حل بیان کر سکتا ہو-

۳- علم کے مطابق عامل ہو یعنی فرائض ، واجبات ، سنن اور مستحبات پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچتا ہو-

۴- رسول اللہ ﷺ تک اس کے مشائخ کا سلسلہ پہنچتا ہو-

یہ چار شرطیں ضروری ہیں ان کے علاوہ اگر کسی کو سندِ خلافت ہو ، بیعت کی اجازت ہو، وہ لوگ جو کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر شریعت کے پابند نہیں یا جن کو شریعت کا علم نہیں اور حقیقت اور معرفت کی باتیں کرتے ہیں ان کی بیعت کرنا جائز نہیں اس زمانہ میں ایسے پیشہ ور پیر بکثرت موجود ہیں ، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے- (شرح مسلم)

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ سیدنا بایزید بسطامیؒ نے فرمایا جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے - امام قشیری رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا- (شرح مسلم)

مولانا فرماتے ہیں

؎ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پر آفت وخوف وخطر

یعنی پیر پکڑو، پیر کے بغیر یہ سفر بہت ہی خطرناک اور آفتوں سے بھرا ہوا ہے ۔

☆ حدیث نمبر ۳

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ وَ يَخِيطُ ثَوْبَهٗ وَ يَعْمَلُ فِیْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِیْ بَيْتِهٖ وَ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِیْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلِبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدُمُ نَفْسَهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیْ)

(مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ)

☆ ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا جوتا شریف درست کر لیتے تھے اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں میں سے ایک کی سی زندگی رکھتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی جوئیں دیکھتے تھے۔ اپنی بکری دودھ لیتے تھے اور اپنے کام خود کرتے تھے۔ (ترمذی)

☆ تشریح

آپ ﷺ کے عمل شریف سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ پیوند والا کپڑا اور

پیوند والا جوتا پہننے میں عار محسوس نہیں کرنا چاہیئے ، یہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں شرم محسوس نہ کریں دوسروں کے حاجتمند نہ رہیں لیکن یہ دونوں عمل کنجوسی کی بناء پر نہ ہوں بلکہ عاجزی وانکساری کے لئے ہوں۔ یہ فرمانِ پاک اس کے خلاف نہیں کہ اللہ جب نیا کپڑا یا جوتا دے تو پرانا خیرات کردو کہ وہاں سخاوت کی تعلیم ہے اور یہاں عاجزی کی۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ فطری طور پر ہر کام جانتے ہیں۔ آپ ﷺ حکومت کرنے ، فیصلے کرنے ، کپڑے سینے اور جوتے میں پیوند لگانے سے بھی واقف ہیں۔ یہ سب کچھ کسی سے سیکھا نہیں بلکہ رب کے ہاں سے سیکھے سکھائے تشریف لائے ، حضور انور ﷺ نے کوئی کمال کسی مخلوق سے نہیں سیکھا۔

آنحضور ﷺ کی زندگی پاک شاہانہ اور پر تکلف نہ تھی بلکہ عام بشر کی طرح سادہ تھی ، یہ بھی معلوم ہوا صحابہ آپ ﷺ کو بشر نہ کہتے تھے۔ بشر کہنا تو بڑی بات ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو بھتیجا بھی نہ کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھائی نہ کہتے ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ خاوند کہہ کر نہ پکارتیں۔ یہ تمام حضرات "یارسول اللہ ، یانبی اللہ وغیرہ القاب سے پکارتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (پ۱۸، نور)

ترجمہ (اپنے درمیان رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت بلاؤ جس طرح تم میں ایک دوسرے کو بلاتا ہے)۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کے سر یا کپڑوں میں جوئیں نہ پڑتی تھیں ہاں کبھی کبھار دوسروں کی چڑھ جاتی تھیں وہ اپنے کپڑے صاف کرتے تھے اور اُمّ حرام آپ ﷺ کے سر مبارک سے نکالتی تھیں ، ہاں مکھی جسم پاک پر نہ

بیٹھتی اور نہ ہی مجھر آپ ﷺ کو ایذا دیتا - (اشعۃ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے کام خود بھی کر لیتے تھے، للذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرت انسؓ ودیگر صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی خدمت کرتے تھے- صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی خدمت کرنا فخر محسوس کرتے تھے جیسے کوئی غلام آقا کی خدمت محض اس لئے کرے کہ میں اس کا منظور نظر ہو جاؤں یا آقا کی نظر عنایت کا مستحق ٹھہروں، ان کا نظریہ تو فقط یہ تھا کہ-

ع تیری اک نگاہ پہ قربان میری ساری زندگانی (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اِبْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ خَدَمْتُهٗ عَشَرَ سِنِيْنَ فَمَا لَا مَنِیْ عَلٰی شَیْءٍ قَطُّ اُتِیَ فِیْهِ عَلٰی یَدَیَّ فَاِنْ لَا مَنِیْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِیَ شَیْءٌ کَانَ-

هذا لفظ المصابيح وروى البيهقي في شعب الايمان مع تغير يسير - مشکوٰۃ باب فی اخلاقه و شمائله ﷺ

☆ ترجمہ

روایت ہے حضرت انسؓ سے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس وقت خدمت کی جبکہ میں آٹھ سال کا تھا- میں نے حضور ﷺ کی دس سال

خدمت کی اگر مجھ سے کسی چیز کو نقصان پہنچ جاتا تو آپ ﷺ نے کبھی مجھے ملامت نہ کی۔ اگر آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو فرماتے جانے دو اگر کچھ مقدر میں ہوتا تو وہ ہوتا۔ (یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں کچھ فرق سے روایت کی ہے)

☆ تشریح

حضرت انسؓ جب حضور پاک ﷺ کی خدمت میں خدمتگار یا خادم خاص کی حیثیت سے حاضر ہوئے تو اس وقت آپؓ کی عمر آٹھ سال تھی آپؓ نے کل دس سال حضور ﷺ کی بے مثال خدمت کی۔ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد آپؓ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا بچہ تھا مجھ سے کبھی کوئی چیز ٹوٹ بھی جاتی یا کبھی مجھ سے کام بگڑ جاتے تو حضور ﷺ نے مجھے کبھی بُرا بھلا نہیں کہا نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی جھڑکا۔ بلکہ آپ نہ تو خود ملامت کرتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو ملامت کرنے دیتے۔ چیز کے ضائع ہونے کا افسوس عورتوں کو بہت زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے ازواجِ مطہراتؓ ناراض ہوتی تھیں تو حضور ﷺ انہیں منع فرماتے تھے اور فرماتے برتن کی عمر اتنی ہی تھی، اور یہ کام رب کی طرف سے یونہی ہونے والا تھا۔ انس تو اس کا مظہر ہیں انہیں کچھ نہ کہو۔ (مرآت)

اگر آج ہم لوگ اس سنت نبویؐ پر عمل کریں تو یقیناً ہمارے گھر بھی جنت بن جائیں اور اس طرح سے ثواب بھی حاصل ہو جائے۔ گھر میں لڑائی جھگڑا اس وجہ

سے بھی ہوتا ہے کہ ایک فرد نے بچے کو جھڑکا دوسرے نے حمایت کی اس طریقے سے بات بڑھتی ہوئی لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔ آیئے مل کر عہد کریں کہ اس پیاری سنت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ (آمین)

شارح مسلم فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نو سال رہا۔ مجھے علم نہیں کہ کبھی آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں کیا ؟ اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی میری کسی چیز کی مذمت کی اور پھر جھڑک دیا۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ بارگاہ اقدس میں نو سال اور کچھ مہینے رہے بعض روایات میں انہوں نے مہینوں کا اعتبار نہیں کیا اور بعض روایات میں نو سال اور کچھ مہینوں کو تغلیباً دس سال سے تعبیر فرمایا۔ (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۵

وَعَنْ اَنَسٍ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ غَنَمًا بَیْنَ جَبَلَیْنِ فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ فَاَتٰی قَوْمَہٗ فَقَالَ اَیْ قَوْمِ اَسْلِمُوْا فَوَ اللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَیُعْطِیْ عَطَاءً مَا یَخَافُ الْفَقْرَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

(مشکوۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ﷺ)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ شَیْئًا قَطُّ

فَقَالَ لَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ باب فی اخلاق و شمائلہ ﷺ)

☆ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان بھری ہوئی بکریاں مانگیں۔ حضور ﷺ نے وہ سب اسے دے دیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور بولا اے میری قوم مسلمان ہو جاؤ، اللہ کی قسم محمد ﷺ ایسی عطا دیتے ہیں کہ فقیری کا خوف نہیں فرماتے۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز نہ مانگی گئی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو "نہیں" (بخاری و مسلم)

☆تشریح

سائل نے اتنی زیادہ بکریاں مانگیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کا سارا جنگل بھرا ہوا تھا۔ یہ سب بکریاں حضور انور ﷺ کی اپنی تھیں۔ غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کے خمس میں اتنی بکریاں آپ ﷺ کو ملی تھیں۔

سرکار دو عالم ﷺ نے بغیر دغدغہ بلا تامل سب بکریاں سائل کو عطا فرما دیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سائل نے حضور ﷺ کی یہ بکریاں دیکھ کر عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بڑے مال دار ہو گئے ہیں۔ فرمایا کیسے؟ اس نے عرض کیا کہ اتنی زیادہ بکریاں آپ ﷺ کی اکیلے ملک ہیں۔ فرمایا جا سب تجھے عطا فرما دیں، لے جا وہ حیرت سے حضور ﷺ کا منہ تکتا رہ گیا خیال رہے کہ داتا سخی ہے مگر دینے کے دروازے مختلف ہیں۔ کسی کو جمال دکھا کر ایمان عطا، کسی کو سخاوت دکھا کر اپنا

متوالا منا لیا ، کسی کو میدان جہاد میں جلالِ الٰہی دکھا کر مومن بنادیا- ہم جیسے دور رہنے والے غلاموں کو اپنا نام سنا کر ایمان دے دیا-ان کا نام ،ان کے کام کی صورت ،ان کی سیرت سب ہی ایمان بخشنے کا ذریعہ ہیں -اس بدوی نے اسی عطا کو حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل بنایا- مع اپنی قوم کے مسلمان ہو گیا،وہ بکریاں کیا ملیں کہ انہیں ایمان مل گیا- یاد رہے کسی سے مانگنا عیب ہے-اس سے منع فرمایا گیا ہے- مگر اللہ و رسول سے مانگنا ہم سب کے لئے باعث فخر ہے- (مرآت)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کسی سائل یا بھکاری کو کبھی یہ نہ فرمایا کہ ہم تم کو نہیں دیں گے -اگر وہ چیز ہوتی تو عطا فرمادیتے ورنہ خاموشی یا آئندہ کے لئے وعدہ فرمالیا یا معذرت کردی لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں- قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ-

ترجمہ = تو نے کہا میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں (پ ۱۰ توبہ)

آیت کریمہ میں معذرت کا " لا " ہے اور انکار کا " لا " مراد ہے-

فرزدق شاعر نے حضور ﷺ کی نعت شریف میں عرض کیا-

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ
لَوْ لَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمٗ

کسی نے اس کا ترجمہ یوں کیا-

نرفت کلمۂ لا بر زبان او ہرگز
مگر بہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

یعنی حضور انور ﷺ نے بجز کلمہ طیبہ کے "لا" انکار کے لئے کبھی ارشاد نہ فرمایا- آج بھی حضور ﷺ سے مانگ کر دیکھو تو محروم نہ پھرو گے-

زمانہ نے زمانے میں سخی ایسا کہیں دیکھا
زبان پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

(مرآت)

سرور کائنات ﷺ نے کبھی کسی سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا ، آپ ﷺ کے جود و سخا کے واقعات سے سیرت کی کتب بھری پڑی ہیں ، جو بھی درِ رسالت پر حاضر ہوا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا گیا۔ حضور ﷺ کا یہ فیض ، فضل و کرم آج بھی جاری ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب معاملات حضور ﷺ کے دستِ ہمت و کرامت کے سپرد ہیں۔ حضور ﷺ جو چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے رب کے اِذن سے عطا فرماتے ہیں

(اشعۃ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور جو سائل مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے) (ضحیٰ پ ۳۰)

حضور ﷺ کی زندگی مبارک اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی کسی کو نہ نہیں فرمایا ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین کے علاقہ سے ۹۰ ہزار درہم آئے آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک چٹائی بچھا کر اس پر نقدی کا ڈھیر لگا دیا۔ نماز فجر کے بعد یہ درہم تقسیم کرنا شروع کیے ، نماز ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ جب حضور ﷺ ساری رقم تقسیم فرما چکے تو اتفاق سے ایک سائل آگیا سرکار نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں بچی ، تم یوں کرو کہ کسی بھی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور اپنی ضرورت کی اشیاء حاصل کرو اسے کہو کہ رقم میرے نام لکھ دے میں ادا کرونگا۔

اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں اللہ نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں فرمایا۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ بات پسند نہ آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے، ایک انصاری بھی اس وقت حاضرِ خدمت تھے۔ کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے دریغ خرچ فرمایا کیجئے اور پروردگار سے قلت کا خوف نہ کیجئے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مُسرّت سے پھول کر شگفتہ ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے ہنس پڑے پھر فرمایا میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانے تو ختم ہونے والے نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَر پر آنے والا کوئی سائل کیسے خالی ہاتھ جا سکتا ہے۔ للہ در قائل

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

☆ حدیث نمبر ۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا فَاَرْسَلَنِيْ يَوْمًا لِحَاجَةٍ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَذْهَبُ وَفِيْ نَفْسِيْ اَنْ اَذْهَبَ لِمَا اَمَرَنِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجْتُ حَتّٰى اَمُرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي السُّوْقِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ

قَبَضَ بِقَفَایَ مِنْ وَرَائِیْ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَیْهِ وَ هُوَ یَضْحَکُ فَقَالَ یَا اُنَیْسُ ذَهَبْتَ حَیْثُ اَمَرْتُکَ قُلْتُ نَعَمْ اَنَا اَذْهَبُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهُ مُسْلِمٌ"

(شکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ﷺ)

☆ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے ایک دن کسی کام کے لئے بھیجا، میں نے کہا اللہ کی قسم میں نہ جاؤنگا لیکن میرے دل میں تھا کہ جاؤنگا جس کا مجھے حضور ﷺ نے حکم فرمایا۔ چنانچہ میں روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں بچوں پر گذرا جو بازار میں کھیل رہے تھے۔ اچانک حضور ﷺ نے میرے پیچھے سے میری گردن پکڑی فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ فرمایا اے انیس کیا تم وہاں جارہے ہو جہاں جانے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا ؟ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ میں وہاں جارہا ہوں۔ (مسلم)

☆تشریح

جس وقت حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انسؓ کی عمر آٹھ سال تھی ان کے والدین ان کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے ان کو آپ ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ وفات سنہ ۱۰ھ میں ہوئی حضور ﷺ کی وفات تک انسؓ خدمت کرتے رہے۔ بعد

وفاتِ مدینہ سے چلے گئے اور مقام موصل میں آپؓ کا مزار ہے۔ (مرآت)

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں ناس سے مراد سارے ہی انسان ہیں اور خلق سے مراد برتاؤ ہے۔ (مرقات)

حضرت انسؓ نے نافرمانی یا حکم کی مخالفت نہیں کی بلکہ ناز برداری کی ہے اور اپنے کریم پر نیاز مندانہ ناز ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

؎ کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

(اقبالؒ)

جیسے بچے ماں باپ سے ضد کرتے ہیں کہ ہم نہیں کرتے نیز یہ واللہ قسم کے لئے نہیں تاکہ اس پر قسم کے احکام جاری ہوں بلکہ بلا قصد یہ لفظ بولا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں یہ قسم لغو ہے اور امام اعظم کے نزدیک یہ قسم ہے ہی نہیں۔

(مرآت)

فرماتے ہیں میرا یہ انکار صرف زبانی تھا۔ دل سے نہ تھا چونکہ یہ کام لڑکپن میں تھا اس لئے حضور انور ﷺ نے بار بار جانے کا حکم نہ دیا۔ بلکہ نہایت ہی نرمی فرماتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ اور میں حکم کی تعمیل میں کام پر چلا گیا۔ (لمعات)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں کھیلنے والے بچوں پر گذرا تو کھیل دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اچانک آپ ﷺ نے پیچھے سے میری گردن پکڑی یہ گردن پکڑنا انتہائی پیار و محبت سے تھا، قفا، گردن کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں اور اگلے حصے کو حلقوم کہتے ہیں۔

حضرت انسؓ نے پیچھے دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے حضور ﷺ کے

لئے جہاں کہیں لفظ ضَحِکَ آتا ہے وہاں تبسم مراد ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی قہقہہ نہ لگایا- لفظ انس کو انیس فرمانا تصغیر کے لئے ہے- یہ بھی محبت کے لئے تھا- نام بگاڑنا مراد نہیں- جیسے ہمارے ہاں اکرام سے کامی یا سلیم سے سیمی کہا جاتا ہے-

قُلْتُ نَعَمْ (میں نے عرض کیا ہاں) یہ ہے اپنے ارادے کا اظہار یعنی میں نے صرف زبان سے انکار کیا تھا- جانے کا ارادہ اس وقت ہی تھا چنانچہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حکم کے مطابق جا رہا ہوں- (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۷

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا یَّھُوْدِیًّا کَانَ یَخْدِمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُہٗ فَوَجَدَ اَبَاہُ عِنْدَ رَاْسِہٖ یَقْرَاُ التَّوْرَاۃَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا یَھُوْدِیُّ اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاۃَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَجِدُ فِی التَّوْرَاتِہٖ نَعْتِیْ وَ صِفَتِیْ وَ مَخْرَجِیْ قَالَ لَا قَالَ الْفَتٰی بَلٰی وَ اللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّا نَجِدُ لَکَ فِی التَّوْرَاتِہٖ نَعْتَکَ وَ صِفَتَکَ وَ مَخْرَجَکَ وَ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِا

صَحَابِهِ اَقِيمُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ رَأْسِهٖ وَلُوْا اَخَاكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ -

مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاته

☆ ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو اس کے پاس نبی کریم ﷺ بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، اور اس کے باپ کو اس کے سرہانے توریت پڑھتے پایا- تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے یہودی میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری کیا تم میرے اوصاف، میری نعت اور میری ہجرت توریت میں پاتے ہو کہا نہیں، تو نوجوان بولا ہاں یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ہم آپ ﷺ کی نعت، آپ کی صفات اور آپ کی ہجرت توریت میں پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں- تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس یہودی کو اس جوان کے پاس سے اٹھا دو اور تم اپنے بھائی کا انتظام کرو-

(بیہقی دلائل النبوۃ)

☆ تشریح

عربی میں نابالغ مگر سمجھدار بچے کو غلام کہتے ہیں بہت چھوٹے بچے کو صبی کہا جاتا ہے شیر خوار کو رضیع کہتے ہیں- یہ بچہ یہودی کا تھا- حضور انور ﷺ کی

خدمت میں رہتا تھا اور آپ ﷺ کی ہر طرح سے خدمت کیا کرتا تھا۔ معلوم ہوا کافر بچوں سے خدمت لینا جائز ہے کبھی یہ خدمت وصحبت ہی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جس طرح اس واقعہ میں ہوا، اس بچے اور اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بیمار ہے اور چل پھر نہیں سکتا۔ تب حضور ﷺ معہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس کی عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کی بیمار پرسی جائز ہے۔ خصوصاً جبکہ تندرستی میں کافر ہمارے پاس آتا جاتا ہو اور ہم سے راہ ورسم رکھتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے مرنے والے کے پاس سورۃ یٰسین پڑھتے ہیں ایسے ہی یہود اپنے مرنے والوں کے پاس توریت پڑھا کرتے تھے۔ وہ بچہ غالباً قریب الموت تھا۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خود قسم کھانا جائز ہے اسی طرح دوسرے کو قسم دینا بھی جائز ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو قسم دی جائے یا لی جائے تو قسم میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جس سے اس کے دل پر رعب چھا جائے۔ یہود کے نزدیک توریت شریف اور موسیٰ علیہ السلام بڑی عزت وعظمت والے ہیں اور توریت کا نزول ان کے ہاں اللہ کی بڑی نعمت ہے اس وجہ سے حضور ﷺ نے اس طرح قسم کھائی۔

حضور ﷺ کا توریت میں اپنی صفات پوچھنا اقرار کرانے کے لئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ساری کتب الٰہیہ پڑھی ہوئی ہیں توریت وانجیل میں حضور ﷺ کے نام، کام، حالات بلکہ ہجرت مدینہ تک کا ذکر موجود ہے۔

اس یہودی نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ آپ کے متعلق تمام واقعات اپنی توریت میں پڑھ چکا تھا- لڑکا فوراً بولا حضور توریت میں آپ ﷺ کی صفات موجود ہیں- پتہ چلا کہ لڑکا اگرچہ کم عمر تھا لیکن اس نے توریت میں یہ سب کچھ پڑھ لیا تھا- اور اس کے دل میں حضور انور ﷺ کی محبت تھی- اسے صحبت کی برکت سے یہ نعمت مل چکی تھی- اور وہ آپ ﷺ کے سامنے مسلمان ہو گیا- کوئی شخص اسلام و ایمان لینے آتا ہے مگر اس لڑکے کے پاس ایمان و اسلام آیا- کیونکہ جس ذات کریمہ پر ایمان لایا جاتا ہے جن کے نام سے انسان مسلمان بنتا ہے وہ خود اس کے گھر تشریف لے گئے- یہ تھا صحبت پاک کا اثر-

تیری خلق کو رب نے جمیل کیا تیرے خلق کو رب نے عظیم کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا اس کی تیمار داری کرو اور جب یہ مر جائے تو اس کے کفن دفن اور نماز جنازہ کا انتظام کرو اب اسے یہ یہودی باپ ہاتھ نہ لگائے- حدیث پاک سے یہ مسائل اخذ ہوتے ہیں-

۱- نابالغ سمجھدار بچے کا ایمان معتبر ہے-

۲- مرتے وقت کا ایمان قبول ہے جبکہ غرغرہ کی حالت سے پہلے ہو-

۳- اسلامی رشتہ جانی رشتوں سے قوی تر ہے- کہ مومن کا کفن دفن اجنبی مسلمان تو کریں گے مگر اس کا باپ دادا کافر نہ کرے گا-

۴- اسلام میں نئے پرانے مسلمان برابر ہیں- (مرآت)

اس بچے کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ کوئی عمل نہ کیا اور نیکی صرف یہ کی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں گاہے گاہے حاضری دیتا رہا مرتے وقت ایمان کی دولت

سے مشرف ہو کر جنت میں چلا گیا۔

اور پھر یہ نگاہ نبوت کا کمال تھا کہ وہ بچہ جو اللہ کے محبوب علیہ ﷺ کا خدمت گار تھا جب بیمار ہوا تو پتہ چل گیا کہ اب یہ دار فانی سے کوچ کرنے والا ہے۔ تبھی تو ایمان کی دولت عطا کر دی۔ اس سے پہلے ایسا نہیں فرمایا۔ سو جو درِ مصطفیٰ کی خدمت کرے اور پھر بے ایمان مرے یہ بات رحمت مصطفیٰ علیہ ﷺ کو گوارا نہ ہوئی۔

بچے کے بارے میں پوچھنا عدمِ علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ عدمِ توجہ کی بناء پر تھا جیسا کہ حافظِ قرآن ہر وقت ہر آیت نہیں بتا سکتا ہاں جب توجہ کرتا ہے تو سنا دیتا ہے

☆ حدیث نمبر ۸

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْاُوْلٰى ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ خَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّىْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا وَ اَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّىْ فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا وَ رِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ۔ رواه مسلم

مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاته

☆ ترجمہ

حضرت جابر بن سمرۃؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ کے ساتھ پہلی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے، میں حضور ﷺ کے ساتھ چلا آپ ﷺ کے سامنے بچے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخساروں پر الگ الگ ہاتھ پھیرنے لگے۔ رہا میں تو حضور ﷺ نے میرے رخساروں پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک پائی۔ اور خوشبو ایسی گویا ہاتھ عطار کے ڈبہ سے نکالا ہو۔ (مسلم)

☆ تشریح

پہلی نماز سے مراد نماز فجر ہے۔ کیونکہ دن کی پہلی نماز یہی ہے۔ اس وقت مسجد کے دروازہ پر بچے جمع ہو جاتے تھے۔ دم کرانے یا دست اقدس سر پر پھروانے کے لئے۔

چھوٹے بچے اپنے والد کی گود میں تھے کچھ سمجھدار بچے خود کھڑے تھے۔ حضور انور ﷺ محبت سے ان کے رخساروں کو اس طرح چھوتے ہوئے نکلتے چلے گئے کہ انگوٹھا شریف ایک رخسار پر تو انگلیاں دوسرے رُخسار پر اور بچوں کی ٹھوڑی حضور ﷺ کی ہتھیلی مبارک میں، جیسے عموماً بزرگ حضرات بچوں کے رُخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک ٹھنڈے اور خوشبودار تھے۔ مگر ٹھنڈک تکلیف دہ نہیں بلکہ نہایت خوشگوار تھی۔ (مرآت)

خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کا جسم اطہر خود بھی خوشبودار اور معطر تھا، حضور ﷺ عطر ملتے بھی تھے تاکہ اصل و عارضی دونوں خوشبوئیں مل کر بہت لطف

دیں کیونکہ فرشتوں کو حضور علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔

(مرقات)

علامہ سعیدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ ابن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ کے خدام پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے کر آتے، آپ ﷺ ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے بسا اوقات سرد صبح میں یہ واقعہ ہوتا اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ ان میں ڈبو دیتے تو لوگ وہ پانی تبرک بنا کر گھروں کو لے جاتے۔

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کے لمس سے برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے برتنوں میں رسول اکرم ﷺ کا ہاتھ لگواتے تھے۔

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک بال بھی ہو تو وہ مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہے۔ (شرح مسلم)

علامہ سعیدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار تھا رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ عیادت کے لئے تشریف لائے میں بے ہوش تھا رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور بچا ہوا پانی مجھ پر ڈال دیا تو مجھے ہوش آگیا۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صالحین کی مستعمل اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ (شرح مسلم)

تاکہ اللہ کے بندے ان مقبول بندوں سے تبرکات اور شفا حاصل کریں اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ سلف الصالحین کی دستار، کرتہ حتیٰ کہ جوتے وغیرہ بھی پیچھے آنے والوں نے سنبھال کر بطور تبرک محفوظ جگہ میں رکھے ہوتے ہیں ان کی اصل

حدیث پاک ہے۔

☆ حدیث نمبر ۹

وَعَنْ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاتِيْهَا فَيَقِيْلُ عِنْدَهَا فَتَبْسُطُ لَهُ نِطَعًا فَيَقِيْلُ عَلَيْهِ وَكَانَ كَثِيْرًا الْعَرَقِ فَكَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَهُ فَتَجْعَلُهُ فِي الطِّيْبِ وَ الْقَوَارِيْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا اُمِّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا قَالَتْ عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيْبِنَا وَ هُوَ مِنْ اَطْيَبِ الطِّيْبِ وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْا بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاته

☆ ترجمہ

حضرت اُمِّ سلیمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تھے اور وہاں قیلولہ کیا کرتے تھے۔وہ حضور ﷺ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں۔ حضور ﷺ اس پر آرام کیا کرتے تھے، حضورؐ کو پسینہ بہت آتا تھا۔ تو وہ حضورؐ کا پسینہ جمع کر لیتی تھیں۔اسے خوشبو میں ڈال لیتی تھیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اُمِّ سلیم یہ کیا ہے۔بولیں حضور ﷺ آپ کا پسینہ ہے۔جسے ہم اپنی خوشبو

میں ڈال لیتے ہیں - یہ بہترین خوشبو ہے - اور ایک روایت میں ہے کہ بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کی برکت سے اپنے بچوں کے لیے امید کرتے ہیں ، فرمایا تم ٹھیک کرتی ہو - (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

حدیث پاک کی راوی حضرت اُمِ سلیمؓ کے نام میں اختلاف ہے ، کنیت اُمِ سلیم بنت ملحانؓ ہے - آپ پہلے مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں - ان سے حضرت انس ابن مالکؓ پیدا ہوئے مالک ابن نصیر مشرک مارے گئے تو ابو طلحہؓ نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا آپ نے فرمایا میرا مہر یہ ہوگا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اس کے بغیر کوئی مہر نہیں چاہتی - چنانچہ ابو طلحہؓ مسلمان ہو گئے اور آپؓ سے نکاح کیا -

صاحبِ مرقات ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ اُمِ سلیم اور اُمِ حرام دونوں ملحان کی صاحبزادیاں ہیں بعض مؤرخین نے کہا کہ یہ دونوں بیبیاں حضور علیہ السلام کی رضاعی خالہ تھیں - اس لیے آپ علیہ السلام سے پردہ نہ کرتیں اور آپ علیہ السلام ان کے ہاں آرام فرماتے تھے - مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ دونوں بیبیاں مدینہ کے انصار بنو نجار سے ہیں - حضور انور علیہ السلام شیر خوارگی میں مدینہ نہیں گئے - لہٰذا حق یہ ہے کہ یہ دونوں بیبیاں حضور انور علیہ السلام کے والد حضرت عبداللہ کی رضاعی خالہ تھیں کیونکہ عبد المطلب نے مدینہ منورہ میں بنی نجار میں ایک بی بی سے نکاح کیا تھا حضرت عبداللہ مدینہ میں ہی پیدا ہوئے وہاں ہی شیر خوارگی کا زمانہ گزارا اور بنی نجار میں ہی پلے بڑھے - اُمِ حرام نے حضرت عبداللہ کو دودھ پلایا جو کہ اُمِ سلیم کی

بہن ہیں - اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ یہ دونوں بیبیاں حضور علیہ السلام کی رضاعی دادیاں، پھوپھیاں ہیں - لہٰذا آپ ﷺ کا ان کے ہاں تشریف لے جانا اور آرام فرمانا بالکل درست ہے - (مرقات)

شارح مشکوٰۃ مزید فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور ﷺ بہت حیا والے تھے، جس کو حیاد شرم بہت آتی ہو اسے پسینہ بہت آتا ہے - (مرقات)

حضرت اُمِ سلیمؓ جسم شریف سے پسینہ پونچھ پونچھ کر اپنے عطر میں ملا لیا کرتی تھیں - انہیں جسم اطہر چھونا جائز تھا - ہو سکتا ہے کہ اس بستر سے یا حضور ﷺ کے کسی کپڑے سے نچوڑ لیتی ہوں -

حضور انور ﷺ کے پسینے کا خوشبو دار ہونا غیر اختیاری معجزہ تھا - جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، یا حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی - انبیاء کرامؑ کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں - لازمی معجزات، عارضی اختیاری معجزات جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور یدِ بیضاء کہ جب پھینکا تو سانپ بن گیا - عارضی غیر اختیاری معجزے جیسے قرآنی آیات کا نزول، یہ خوشبودار پسینہ پہلی قسم کا معجزہ ہے -

صاحب اشعۃ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اُمِ سلیم بطور تبرک آپ ﷺ کا پسینہ اپنے بچوں پر ملتی تھیں -، جس سے خوشبو بھی حاصل ہوتی اور برکت بھی، تاکہ اس کی برکت سے بچے آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہیں - (اشعہ)

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات دافع بلا ہوتے ہیں - حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال کر دی - (القرآن)

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے پسینہ، ان کے لباس، بال،

سارے آثار سے برکت اور قرب الٰہی حاصل کرنا مستحب ہے۔ جب حضرت انسؓ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری میت پر جو خوشبو لگائی جائے اس میں یہ پسینہ شریف شامل کیا جائے۔ (مرقات)

حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کے کفن میں برکت کے لئے رکھوایا۔ (مرآت)

علامہ سعیدیؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے کسی پھول، مشک یا عنبر کو رسول اللہ علیہ السلام سے زیادہ خوشبو دار نہیں پایا۔ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ کوئی عطر رسول اللہ سے زیادہ خوشبو دار نہ تھا۔ امام ابو یعلیٰؒ نے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیٹی کو رخصت کرتا آپ علیہ السلام اپنا پسینہ مبارک پونچھ کر اس شخص کو دیتے اور فرماتے کہ اپنی لڑکی سے کہو کہ اسے لگالے۔ چنانچہ جب وہ اس پسینہ کو لگالیتی تو اہل مدینہ اس خوشبو کو سونگھتے، اور لوگ ان کے گھر کو خوشبو والا گھر کہتے۔ امام دارمی بیہقی اور امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام جس راستے سے گذرتے بعد میں گذرنے والے آپ علیہ السلام کے پسینے کی خوشبو سے پہچان لیتے کہ آپ علیہ السلام ادھر سے گذرے ہیں اور آپ علیہ السلام جس پتھر کے پاس سے گذرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا۔ (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۱۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰی

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ حَتیٰ وَجَبَتۡ لَکَ النَّبُوَّۃَ قَالَ وَاٰدَمُ بَیۡنَ الرُّوۡحِ وَالۡجَسَدِ رَوَاہُ التِرۡمِذِیۡ

مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ﷺ

☆ترجمہ

حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی، فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (ترمذی)

☆تشریح

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں ابھی روح پھونکی نہ گئی تھی، اس وقت ہم نبی تھے۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ ہم علم الٰہی میں نبی تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ہم نبی ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرامؑ کی نبوت کو جانتا تھا۔ پھر اس میں حضور ﷺ کی خصوصیت کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نبوّت کا اعلان اس وقت ہو چکا تھا۔ فرشتے حضور ﷺ پر کروڑوں سال سے درُود پڑھ رہے تھے۔ تمام رُوحوں کے سامنے سارے نبیوں سے حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ کی نصرت و مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ (پ ۳ آل عمران) (اور جب اللہ نے نبیوں سے پکا وعدہ لیا) عرش اعظم، آسمانوں، جنت

کے محلوں ، دریچوں میں ، وہاں کے درختوں کے پتوں پر حوروں کی پتلیوں میں ، فرشتوں کی آنکھوں میں ، غلمان کے سینوں پر ، طوبیٰ کے غنچہ و گل میں حضور ﷺ کا نام لکھ دیا گیا انشاء اللہ ہم بھی وہاں جا کر یہ ساری بہار اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالمِ ارواح میں حضور ﷺ سارے نبیوں کے نبی تھے۔ آپ ﷺ ان کی روحوں کو تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ سارے انبیاء حضور ﷺ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے دنیا میں تشریف لائے اور حضور سے سیکھے ہوئے علوم مخلوق کو سکھائے۔ (اشعۃ)

صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں ، طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں روایت کی۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔
(میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے)
(مرقات)

خیال رہے کہ جسمانی نبوت کے لئے شرط ہے کہ نبی انسان ہوں اور انسانی سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوتا ہے لیکن روحانی نبوت کے لئے یہ شرط نہیں۔ لہٰذا فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ نبی انسان ہونے چاہئیں۔ اس وقت حضور ﷺ صفت انسانیت سے موصوف نہ تھے ، یا یوں کہو کہ انسانیت کے لئے اولاد آدم ہونا ضروری ہے۔ لیکن حضرت بی بی حوا انسان ہیں مگر اولادِ آدم نہیں۔ یوں ہی جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جائے گی وہ انسان ہو گی مگر اولادِ آدم نہ ہو گی لہٰذا اس وقت بھی حضور ﷺ انسانیت کی صفت سے موصوف تھے۔ (مرآت)

بنا ساری خدائی سے محمد مصطفےٰ پہلے
نہ حوا تھی نہ آدم تھا نہ تھا ظاہر خدا پہلے

سیرۃ الحلبیہ میں علامہ علی بن برہان الدین الحلبی ایک روایت نقل کرتے ہیں جسے حضرت امام زین العابدینؓ نے اپنے والد حضرت امام حسینؓ اور انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل فرمایا ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدِیْ رَبِّی قَبْلَ خُلْقِ آدَمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِاَرْبعۃ عشر الف عام	حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں حضرت آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے مولا کی بارگاہ میں نور کی صورت میں موجود تھا

کائنات میں تخلیقِ آدم سے پہلے حضور ﷺ کب سے موجود تھے۔ اس کا تعین کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اس سلسلے میں مختلف آئمہ نے ایک روایت ذکر کی ہے۔ کہ علامہ حلبیؒ انسان العیون المعروف سیرۃ الحلبیہ میں نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ جبرائیل ذرا یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرائیل نے عرض کیا آقا! عمر کا تو مجھے صحیح اندازہ نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ (ساری کائنات سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حجابات عظمت میں سے) چوتھے پردہ عظمت میں ایک (نورانی) ستارہ چمکا کرتا تھا اور وہ ستارہ ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ

چمکتا تھا۔ آقا میں نے وہ نورانی ستارہ اپنی زندگی میں بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے، حضور ﷺ (تبسم کناں چہرہ انور کے ساتھ) فرمانے لگے جبرائیل مجھے اپنے ربِ ذوالجلال کی قسم وہ (چمکنے والا) ستارہ میں ہی ہوں۔

عالمِ بشریت میں جلوہ گری تو بہت بعد کی بات ہے، حضور ﷺ تو اس وقت بھی عالمِ وجود میں تھے جب نور کو بھی کوئی وجود نہ ملا تھا۔ کائنات جب نیست کے مرحلے میں تھی اور فقط خداوندِ قدوس اپنی شانِ الوہیت وربوبیت کے ساتھ موجود تھا، اس سے آگے کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۱

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قال بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِی اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ۔ مُتَّفَقٌ علیہ

(مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ﷺ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جامع باتوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور ہیبت سے میری مدد کی گئی ہے، جبکہ میں سو رہا تھا تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور

☆ تشریح

سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے زمین کے سارے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں۔

تمام زمینی اور دریائی پیداواریں زمینی خزانے ہیں آپ ﷺ کو چابیاں دیے جانے کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ کو ان سب کا مالک بنادیا گیا اور مالک بھی اختیار والا کہ آپ لوگوں کو اپنے اختیار سے تقسیم فرمائیں۔ خیال رہے کہ نبی کا خواب اور بیداری میں کوئی فرق نہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے

ھر کار بنایا تمہیں مختار بنایا

بے یار و مددگار جسے کوئی نہ پوچھے

ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا

اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے۔

" اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا " (پ۲۶ فتح)

ترجمہ = اے محمد ﷺ ہم نے تم کو صریح و صاف فتح دی۔

حضور ﷺ بہ عطائے الٰہی اللہ کے سارے خزانوں کے مالک ہیں۔ حضرت ربیعہؓ ابن کعب نے حضور ﷺ سے جنت مانگی جو عطا کر دی گئی۔

جس دن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو احد پہاڑ کو سونا بنا دوں، اس دن سے آج تک احد پہاڑ سے سونا نکل رہا ہے۔

جَوَامِعُ الْکَلِمِ = (جامع باتیں) قرآن پاک کے الفاظ بھی جامع ہیں اور حضور علیہ السلام کے الفاظ بھی نہایت جامع ہیں کہ لفظ تھوڑے معنی بہت زیادہ۔ دیکھو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے ، دین کی حقیقت خیر خواہی ہے ، مومن کامل وہ ہے جو بے کار اور غیر مفید باتیں چھوڑ دے ، بظاہر یہ جملے چھوٹے چھوٹے ہیں مگر ساری شریعت و طریقت ان میں بھری ہوئی ہے۔

وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ =(اور ہیبت سے میری مدد کی گئی) دشمنوں کے دل میں قدرتی طور پر حضور علیہ السلام کا رعب تھا ایسا دیکھا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اکیلے سو رہے ہیں ، کافر تلوار لے کر آکھڑا ہوا مگر قتل نہ کر سکا ، بلکہ تھر تھرا کر خود گر گیا۔ مولانا فرماتے ہیں=۔

شعر۔ ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحبِ دلق نیست

ترجمہ = یہ ہیبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے خلقت سے نہیں ، اور نہ ہی اس گدڑیا پوش مرد کی طرف سے ہے۔

خیال رہے چاند سورج حضور علیہ السلام کے مطیع ہیں کنکروں ، پتھروں ، لکڑیوں نے حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھا ، یہ ساری مخلوق حضور علیہ السلام کو مانتی ہے ، سوائے کفار ، جن و انس باقی سب حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۱۲

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِیّ۔

(مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء)

☆ ترجمہ

حضرت عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ہم میں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو ہم کو ابتداء خلق کے متعلق خبر دی حتیٰ کہ جنتی جنت میں اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور دوزخی دوزخ میں اپنے مقامات پر، جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ (بخاری)

☆ تشریح

حضور پاک ﷺ کا یہ وعظ فجر کی نماز سے لے کر مغرب کی نماز تک تھا، درمیان میں سواء ظہر، عصر کی نماز کے اور کسی کام کے لئے وعظ شریف بند نہ فرمایا اور دن بھر میں ابتداء سے انتہا تک بیان فرما دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کستے کستے پوری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس واعظ شریف میں پرندوں کا پر مارنا، قطرہ کا

حرکت کرنا، ذرہ کا جنبش کرنا تک بیان فرمادیا- گذشتہ ماضی کے تمام حالات اور آئندہ مستقبل کا ایک ایک حال بیان فرمادیا- یہ حضور ﷺ کے علم غیب کُلی کی قوی دلیل ہے- اور یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے- وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے) (پ ۵ نساء)

وَیُعَلِّمُکُمْ مَّالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (اور تمہیں ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے) (پ ۲ بقرۃ)

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب
عَلٰے کُلِّ شَیْءٍ خبیر آمدی

ترجمہ = آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر غیب پر مطلع فرمایا ہے- اور آپ ﷺ ہر چیز پر خبر دار ہیں-

اللہ تعالیٰ نے سارے غیب حضور ﷺ کو بتائے، حضور ﷺ کو یاد بھی رہے فرماتے ہیں وَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّ عَرَفْتَ (اور ہر چیز میرے لئے روشن ہو گئی اور میں پہچان گیا) پھر حضور ﷺ نے یہ سب کچھ صحابہؓ کو بتایا مگر ان میں سے کسی کو سارا یاد نہ رہا- اس تعلیم میں بعض کو زیادہ یاد رہا بعض کو کم اور بعض کو کچھ یاد نہ رہا الغرض رب نے اپنے محبوب کو سب کچھ سکھادیا - حضور ﷺ نے صحابہؓ کو سب کچھ وعظ میں بتایا، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو رب نے سارے نام سکھائے ،، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ،، (پ ا بقرۃ) اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ سب نام بتادئے، سکھائے نہیں، یہ فرق خیال میں رہے-

جب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اس ہاتھ میں (جو کتاب ہے) مجھ پر ایمان لانے والوں کے نام ہیں اور دوسرے ہاتھ میں جو ایمان نہیں لائیں گے

انکے نام ہیں، تو اس پر منافقین نے اعتراض کیا کہ ہم نے ظاہری کلمہ پڑھا ہے۔

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

ہماری خبر نہیں تو پھر جنتیوں اور دوزخیوں کا کیسے پتہ چل گیا کہ فلاں دوزخ میں جائے گا اور فلاں جنت میں جائے گا۔

جب حضور اکرم ﷺ نے نا تو منبر بچھانے کا حکم دیا۔ صورتِ جلال میں تمام سامعین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ (جو چاہو پوچھو)

اس پر ایک شخص نے اپنا نسب پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگ مجھ پر شک کرتے ہیں کہ تیرا باپ فلاں نہیں، فلاں ہے، وضاحت فرما دیں۔ تو حضور ﷺ نے اس کو اس کے حقیقی باپ خذیفہ کی خبر دی۔ بالآخر حضرت فاروق اعظمؓ نے دست بستہ (اقرار و ایمانِ رسالت کے ساتھ) معذرت خواہانہ انداز میں حاضری دی اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ کیونکہ صحابہؓ تو اپنے محبوب کا جلال دیکھ کر ہیبت زدہ ہو گئے کہ منافقین کے علمِ غیب پر شک کرنے سے کہیں عذاب نازل نہ ہو جائے۔

واللہ اعلم

☆ حدیث نمبر ۱۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنَ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ مَلٰئِکَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

(مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاءؑ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت والا ہے۔ (ابن ماجہ)

☆ تشریح

اس حدیث پاک میں جن مومنین کا ذکر ہے ان کی تفصیل یہ ہے، کہ عام مومنین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور خاص مومنین خاص فرشتوں سے افضل ہیں یہ بھی خیال رہے کہ خاص مومنین سے مراد حضرات انبیاءؑ،ورسل و مرسلین ہیں اور خاص ملائکہ سے مراد حضرت جبرائیلؑ ومیکائیلؑ وغیرہ اشرف ملائکہ ہیں عام مومنین سے مراد صالحین ، متقین ہیں جن میں خلفاء راشدین، تابعین ، اولیاء اللہ ہیں - رب فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔) (پ ۳۰ بینہ)

لہٰذا ہر انسان فرشتوں سے افضل نہیں ، ہاں ایمان اور عمل صالح اسے افضل بنا دیتا ہے۔صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین ، حضور غوثِ پاکؒ،امامِ اعظم ابو حنیفہؒ عام فرشتوں سے بھی افضل ہیں۔ (مرقات)

ہاں انسانیت ملکیت سے افضل ہے مگر صدیق اکبرؓ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔

بیہقی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتے بولے یارب تو نے انہیں پیدا فرمایا جو

کھائیں گے، پئیں گے، نکاح کریں گے، سوار ہوں گے۔ تو ان کے لئے دنیا کر دے اور ہمارے لئے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جس میں اپنی رُوح پھونکی اسے اس مخلوق کی طرح نہ کروں جس سے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گئی۔

فرشتوں کا یہ عرض کرنا کہ اولادِ آدم گھر میں، خشکی میں، دریا میں، سواریوں میں، دورانِ سفر بھی دنیا میں مشغول رہے گی، دنیا انہیں چمٹی رہے گی۔ واقعی فرشتوں نے ٹھیک کہا ہم ویسے ہی ہیں۔ معلوم ہوا فرشتوں کو بھی رب تعالیٰ نے علومِ غیبیہ بخشے کہ وہ لوگوں کے آئندہ حالات کی خبر رکھتے ہیں۔

فرشتوں نے کہا ہم دنیاوی کام نہیں کرتے صرف تیری یاد ہماری زندگی ہے لہٰذا توانسانوں کو دنیاوی زندگی میں ہمیشہ رکھ اور انہیں وہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے۔ ہم کو یہاں ہمیشہ رکھ اور یہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے ایسا نہ ہو کہ ان کو تو دونوں جہاں کی نعمتیں ملیں اور ہم ان سے محروم رہیں۔ فرشتوں کی یہ عرض انسانوں کے لئے بددعا یا بدخواہی نہیں بلکہ ان کی بھی خیر خواہی ہے اور اپنے لئے دعا بھی ہے۔

ربِ کائنات نے فرشتوں سے کہا اے فرشتو! میرے ظاہری و باطنی کمالات کا مظہر انسان ہے۔ تم کو میں نے صرف کُن کہہ کر پیدا کیا ہے اور انسان یعنی آدم علیہ السلام کا خمیر عرصہ تک تیار کیا گیا پھر عرصہ تک اسے سکھایا گیا میں نے دستِ قدرت سے اس کی شکل بنائی اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کیا، پھر اس میں اپنی خاص رُوح پھونکی جس سے وہ باطنی خوبی کا حامل ہو گیا۔ انسان مادہ اور مجرب دونوں کا معجونِ مرکب ہے اور انسان اطاعت اور غصے سے مخلوط ہے۔ لہٰذا وہ ثواب و عذاب کا مستحق ہے، جبکہ تم بذاتِ خود معصوم ہو لہٰذا دوزخ سے محفوظ اور جنت

سے محروم ہو۔

یہ حدیثِ پاک ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بشر فرشتہ سے افضل ہے۔ یہ ہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔ فرشتوں کے کمالات انسان پر موقوف ہیں، جنس بشریت، جنس ملکیت سے افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ گز لمبا اور سات گز چوڑا تھا۔ گویا لمبائی ۹۰ فٹ اور چوڑائی ۱۰½ فٹ تھی۔ واللہ اَعلَم (مرآت)

ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی اَحْسَنِ تَقْوِیْم ۔

ترجمہ = میں نے انسان کو بہتر صورت میں پیدا کیا ۔

حضرتِ انسان تخلیق میں اشرف المخلوقات ٹھہرا اور یہ سہرا ایمان اور عمل صالح کی بناء پر انسان اپنے سر سجائے رکھے تو مخلوق میں حضرتِ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ جبکہ فرشتے بھی مخلوق ہیں۔ لیکن انسان ایمان اور عمل صالح سے محروم ہو تو پھر حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۔

ترجمہ۔ (پھر ہم نے اس کو دوزخ کے نچلے درجے لوٹا دیا)

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ

ترجمہ۔ (وہ لوگ تو ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے)

☆ حدیث نمبر ۱۴

وَعَنْ ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تحا جت الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ فقَالَتِ النَّارُ اوثرت بِالْمُتَکَبِّرِیْنَ وَالْمتجبرین وَقالَت الْجَنَّۃُ فَمَا لِیْ لَا یَدْخُلُنِیْ اِلَّا ضُعَفَآءُ النَّاسِ وَسَقَطُھُمْ وَغِرَّتُھُمْ قَالَ اللّٰہُ لِلْجَنَّۃِ اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِیَ اَرْحَمُ بِکِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیَ وَ قَالَ لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِیْ اُعَذِّبُ بِکِ مَنْ اَشَآءُ مِنْ عِبَادِیْ وَلِکُلِّ وَاحِدَۃٍ مِّنْکُمَا مِلْؤُھَا فَاَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِیءُ حَتّٰی یَضَعَ اللّٰہُ رِجْلَہٗ یَقُوْلُ قَطْ قَطْ فَھُنَالِکَ تَمْتَلِیءُ وَ یُزْوٰی بَعْضُھَا اِلٰی بَعْضٍ فَلَا یَظْلِمُ اللّٰہُ مِنْ خَلْقِہٖ اَحَدًا وَّ اَمَّا الْجَنَّۃُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُنْشِیءُ لَھَا خَلْقًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(مشکوٰۃ باب خلق الجنۃ والنار)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت اور دوزخ نے مناظرہ کیا تو دوزخ بولی کہ میں غرور والوں اور جابروں کے لئے خاص کی گئی ہوں۔ جنت بولی کہ پھر میرا کیا حال ہے کہ مجھ میں صرف کمزور لوگ ان میں سے گرے پڑے سیدھے سادے ہی داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے

جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے ، تیرے ذریعے جس بندے پر چاہوں گا رحم کرونگا اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے ، تیرے ذریعے جس بندے پر چاہوں گا عذاب کروں گا۔ تم میں سے ہر ایک کا بھرنا طے شدہ ہے۔ لیکن آگ تو وہ نہ بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھے گا تو کہے گی بس بس، اس وقت بھر جائے گی اور بعض بعض کی طرف سمٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرے گا۔ رہی جنت تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مخلوق پیدا کرے گا۔

(بخاری و مسلم)

☆ تشریح

جنت و دوزخ کا یہ مناظرہ قولی زبانی ہے، نہ کہ صرف حال کا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں حواس و شعور کلام پیدا فرمایا ہے۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے) (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

مولانا روم فرماتے ہیں۔

شعر۔
نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گِل — ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل
فلسفی کو منکرِ حنانہ است — از حواسِ انبیاء بیگانہ است

ترجمہ = پانی، مٹی اور خاک کا کلام یہ سب اہلِ دل کے حواس محسوس کر لیتے ہیں فلسفی جو حنانہ کے واقعہ کا انکار کرتا ہے وہ (اس لئے) کہ حواسِ انبیاء کے ادراک سے ناواقف ہے۔

دوزخ جنت سے کہنے لگی میں تجھ سے اعلیٰ ہوں کہ مجھ میں اعلیٰ شاندار لوگ آ کر رہیں گے۔بادشاہ، وزیر، تکبر کرنے والے اور مالدار کفار مجھ میں رہیں گے۔ تو مجھ سے کمتر ہے کہ کمترین لوگ یعنی ضعفاء تجھ میں رہیں گے۔

دوزخ کے کہنے پر جنت نے بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ مجھے کمزوروں کی جگہ کیوں بنایا گیا ؟میں نے کیا قصور کیا ہے؟ خیال رہے کہ ضعفاء سے مراد بدن اور مال کے لحاظ سے کمزور لوگ مراد ہیں۔ سقط اور غرت سے مراد ہے احوال و صفات کے لحاظ سے کمزور، سقط وہ جنہیں لوگ معتبر نہ سمجھیں ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ غرۃ وہ جو دین میں مشغلہ رکھنے والے جنہیں دنیا کا تجربہ کم ہو کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں بلکہ چالاک انہیں دھوکہ دے دیں حدیث شریف میں ہے

۔

اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کریم الکافر حب لئیم۔

ترجمہ = مومن صاف سادہ دل ہے اور کافر حبِ لئیم ہے۔

چونکہ جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی مظہر ہے اور اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے پہلے اس سے خطاب فرمایا گیا یعنی جنہیں تو ضعیف سمجھتی ہے وہ در حقیقت کمزور نہیں ،وہ تو میرے رحم و کرم کا مرکز ہیں۔ بڑے درجے والے ہیں۔

دوزخ سے فرمایا گیا اے دوزخ تو میرے غضب اور قہر کی مظہر ہے تجھ میں وہ لوگ رکھے جائیں گے جو اپنے شامت اعمال کی وجہ سے میرے غضب اور قہر کے حقدار ہونگے۔ تم دونوں ہی اچھی ہو کہ میری صفات کا مظہر ہو۔ عذابی سے مراد ہے عذاب کی جگہ یعنی محلِ عذاب۔ عدل بھی میری صفت ہے اور فضل بھی

میری صفت ہے- تم دونوں کا کمال اسی میں ہے کہ تم دونوں ہی بھر دی جاؤ چنانچہ ہم تم میں کوئی جگہ خالی نہیں چھوڑیں گے دونوں کو بھر دیں گے-

شارحین نے رجلِ الٰہی یعنی قدم کے بہت معنی کئے ہیں- مگر بہتر یہ ہے کہ مراد پاؤں یعنی قدم ہو اور اللہ کے قدم سے مراد وہ ہو جو وہ خود ہی جانے- یہ فرمان عالی متشابہات سے ہے- ورنہ اللہ اس گوشت و پوست کے ہاتھ پاؤں سے پاک ہے- جب اللہ تعالیٰ آگ میں اپنا قدم قدرت رکھے گا تو آگ کا جوش ختم ہو جائے گا اور زیادتی کا مطالبہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (پ ٢٦ ق) بند ہو جائے گا پھر یہ قدم قدرت نکال لیا جائے گا- مولانا روم فرماتے ہیں-

عالم را لقمہ کرد و در کشید

معدہ اش نعرہ زناں ھل من مزید

ترجمہ = تمام جہاں کو لقمہ بنا کر ہضم کر لیا- ابھی اس کا معدہ نعرہ لگاتا ہے کہ مجھے اور چاہئے-

دوزخ بھرنے عذاب دینے کے لئے کوئی مخلوق پیدا نہ کی جائے گی کیونکہ یہ ظلم ہے اور ربِ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے- خیال رہے ظلم کے دو معنی ہیں- کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا ،اور کسی کو بغیر قصور سزا دینا یہ کہہ کر-

وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ- (اور تم کو بدلہ ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے ہو) (پ ٢٣ یٰسین)

پہلے معنی تو ربِ تعالیٰ کے لئے متصور نہیں کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق و مملوک ہے، دوسرے معنی ظلم سے رب پاک ہے -اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ - (خدا کسی کی بھی حق تلفی نہیں کرتا) (پ ٥ نساء)

خیال رہے دوزخ صرف بد عقیدگی اور بد عملی سے ملے گی، مگر جنت کسبی ، وہبی ، عطائی تین طرح سے ملے گی۔ اپنی نیکیوں سے جنت ملنا کسبی ہے ، کسی نیک کے طفیل ملنا وہبی ہے ، جیسے مسلمان ماں باپ کے چھوٹے بچے مرے ہوئے یا دیوانہ مسلمان یا ہم جیسے گنہگار حضور علیہ السلام کے طفیل، جو قوم جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جائے گی انہیں جنت عطائی ملے گی۔ محض فضلِ الٰہی سے - یہ مسئلہ اس حدیثِ پاک سے حاصل ہوا۔ (مرآت)

شارح بخاری قَدَمَہٗ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہے یا اس سے تقدم مراد ہے ، یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ میں وہ لائے گا جو عذاب کے مستحق اس لئے رکھے گئے ہیں یا ایک مخلوق کا نام ہی قدم ہے یا وضع قدم کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو زجرو تشدید کرے گا۔ یا دوزخ کو تسلی دے گا۔

(تفہیم البخاری)

☆ حدیث نمبر ١٥

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَسُوْقًا یَاْ تُوْ نَھَا کُلَّ جُمْعَۃٍ فَتَھُبُّ رِیْحُ الشِّمَالِ فَتَحْثُوْہُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ وَ ثِیَابِھِمْ فَیَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَّ جَمَالًا فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی اَھْلِیْھِمْ وَقَدِ ازْدَادُوْا حُسْنًا وَ جَمَالًا فَیَقُوْلُ لَھُمْ اَھْلُوْھُمْ وَاللّٰہُ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَ نَا حُسْنًا وَّ جَمَالًا فَیَقُوْلُوْنَ وَ اَنْتُمْ وَاللّٰہِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ

بَعْدَ نَا حُسْنًا وَّ جَمَالاً رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ و اھلہا)

☆ ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں جنتی ہر جمعہ کو آئیں گے تو شمالی ہوا چلے گی ان کے چہروں ان کے کپڑوں میں بھر جائے گی جس سے ان کا حسن و جمال اور بڑھ جائے گا پھر یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے جو حسن و جمال میں بڑھ چکے ہونگے۔ ان سے ان کے گھر والے کہیں گے اللہ کی قسم تم تو ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے، تو یہ کہیں گے رب کی قسم تم لوگ بھی ہمارے پیچھے حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے۔ (مسلم)

☆ تشریح

جنت میں بازار کاروبار یا خرید و فروخت کے لئے نہیں بلکہ آپس میں ملاقات کے لئے ہے۔ اور رب کے دیدار کا بازار ہے۔ وہاں سارے جنتی جمع ہُوا کریں گے۔ اور وہاں دیدار یار کے سودے ملیں گے۔ حضور ﷺ کا دیدار، صحابہ کرامؓ کی ملاقات بلکہ ربّ العالمین کا دیدار یہاں ہُوا کرے گا۔ جمعہ سے مراد پورا ہفتہ ہے، اور اس سے ہفتہ بھر کی مقدار مراد ہے کیونکہ جنت میں نہ دن ہے نہ رات ہے نہ ہفتہ، مہینہ وغیرہ۔

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ جنت کے بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل ہوں گے۔ جنہیں علمائے دین ہی پہچانیں گے اس افضل وقت کا نام جمعہ ہوگا جنتی لوگ علماء سے وہ وقت معلوم کر کے اس بازار میں جایا کریں گے وہاں ان سے پروردگارِ عالم فرمائے گا جو چاہو مانگو یہ لوگ علماء سے پوچھ کر مانگیں گے لہٰذا علماء کی ضرورت وہاں بھی ہوگی۔ (مرقات)

گویا جنت میں جمعہ کا دن رب کی نعمتوں کی زیادتی کا دن ہوگا جیسے دنیا میں جمعہ زیادتی عطا کا دن ہے کہ اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے۔ دنیا میں تم جس ہوا کو شمالی (اتروالی) ہوا کہتے ہو جو بارش لاتی ہے وہاں ایسی ہوا چلے گی جو خوشبو عطر وغیرہ ان کے جسموں میں بھر دے گی۔

خیال رہے جب ہم مغرب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو داہنے ہاتھ کا رخ شمال ہے، جنت میں چونکہ مشرق و مغرب نہ ہوگا لہٰذا شمال و جنوب بھی نہ ہوگا اہل عرب شمالی ہوا کو بہت مبارک سمجھتے ہیں اسے مُون سُون کہتے ہیں، یہ بارش لاتی ہے اس لئے اسے شمالی ہوا فرمایا۔ (مرقات)

ہندوپاک میں مشرقی ہوا کو مون سون کہتے ہیں جو بارش لاتی ہے۔ جب جنتی اس بازار سے اپنے گھر واپس آئیں گے تو ان کا حسن و جمال ان کی مہک خوشبو وغیرہ اور بھی زیادہ ہو چکی ہوگی۔ جس پر ان کے گھر والے ان کے حسن و جمال کی زیادتی کا ذکر کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار میں صرف مرد جایا کریں گے۔ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں گی تاکہ عورتوں مردوں کا خلط ملط نہ ہو پردہ وہاں بھی ہوگا۔ مگر عورتوں کو گھر میں ہی وہ سب کچھ دے دیا جائے گا جو مردوں کو بازار میں بلا کر دیا جائے گا۔

مرد کہیں گے اے بیویو! ہم تو اس بازار میں جا کر یہ حسن و جمال، خوشبو، مہک، بھڑک لائے تم کو یہاں گھر بیٹھے ہی یہ سب کچھ مل گیا۔

وہ ہوا یا تو ان بیویوں کو یہاں ہی پہنچ جایا کرے گی۔ یا ان مردوں کے قرب سے انہیں بھی حسن و مہک ملے گا یا مردوں کو اپنا حسن اپنے گھر والوں میں نظر آئے گا۔ اپنی خوشبوان سے بھی محسوس ہوگی۔ (مرقات)

جس کا ہاتھ عطر سے مہک رہا ہو وہ جس سے مصافحہ کرے اسے بھی مہکا دیتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱٦

وَعَنْ اَبِی هُرَیرۃ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ شَجَرَۃً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّھَا مِائَۃَ عَامٍ لَا یَقْطَعُھَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ و اھلھا)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنّت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا اور طے نہ کرسکے گا اور تم میں سے ایک کے کمان کی جگہ جنّت میں اس سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع

یا غروب ہو۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

یہ درخت شجرہ طوبیٰ ہے جس کے ہر پتے پر لکھا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ سایہ سے مراد اس کے نیچے کا ایریا وہاں کا علاقہ ہے یا تجلی الٰہی اور وہاں کی نورانیت اس کا سایہ ہوگا، یا خود اس درخت کا نور ۔ ظِلّ دھوپ اور روشنی کو بھی کہتے ہیں، غرضیکہ یہ سورج والا سایہ مراد نہیں کہ وہاں سورج نہ ہوگا۔ سو اس سے مراد اتنا عرصہ ہے کہ اگر وہاں دن، رات، مہینے یا سال ہوتے تو سو سال لگتے۔ قاب کے معنی ہیں برابر یا اندازہ رب فرماتا ہے ۔فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پس وہ دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم پ ۲۷ نجم)

صاحب اشعۃ فرماتے ہیں کہ قاب کنارۂ کمان کو بھی کہتے ہیں (اشعۃ)
اس سے مراد ہے کم سے کم جگہ ورنہ وہاں کسی جنتی کو اتنی چھوٹی جگہ نہ ملے گی وہاں تو ادنیٰ جنتی کا علاقہ دنیا بھر سے زیادہ ہوگا۔ (مرآت)
شارح بخاری علامہ رضوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ظِلّ سے مراد راحت اور نعمت ہے کیونکہ جنت میں متعارف سایہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ سورج کی گرمی سے بچاتا ہے۔ اور جنت میں سورج نہ ہوگا جنت تو صرف نور ہی نور ہے۔ اس میں گرمی اور سردی نہیں بلکہ وہاں سرور ہی سرور ہے اور بے شمار نعمتیں ہیں۔
(تفہیم البخاری)

مذکورہ حدیث پاک میں جنت کے درجات کی صرف بھی اشارہ ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۷

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا وَ لَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَیْنَهُمَا وَ مَلَئَتْ وَ مَا بَیْنَهُمَا رِیْحًا وَ لَنَصِیْفُهَا عَلٰی رَاسِهَا خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا رَوَاهُ الْبُخَارِیْ

(مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ و اھلھا)

☆ ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی راہ میں صبح یا شام چلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے، اور اگر جنت والی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان کو چمکا دے اور ان کے درمیان کو خوشبو سے بھر دے اور اس کے سر کی مانگ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔ (بخاری)

☆ تشریح

حدیث پاک میں لفظ،، اَوْ،، شک کے لئے نہیں بلکہ بیانی نوعیت کے لئے ہے۔اللہ کی راہ میں چلنے کی سینکڑوں قسمیں ہیں ۔ نماز کے لئے مسجد میں جانا، علم دین سیکھنے کے لئے جانا ، جہاد کے لئے جانا ،حج و عمرہ کے لئے جانا ، کسی زندہ یا وفات یافتہ کی زیارت کے لئے جانا اور سنت سمجھ کر حلال روزی کی تلاش کرنا وغیرہ۔ (اشعۃ اللمعات)

دنیاسے مراد نفس کے لئے کاروبار و مشغولیت رکھنا،یادنیا کے عیش و آرام ،اگر خدا اکرم کرے تو کھانا پینا سونا جاگنا بھی دین بن جائے اگر کرم نہ کرے تو نماز و حج اور جہاد بھی دنیابن جائے اس کادارومدار نیت پر ہے۔

جنتی عورتوں سے مراد حوریں ہیں یا جنت میں پہنچ چکنے کے بعد دنیا کی جنتی عورتیں۔ جنت میں جنتی عورتوں کا حسن حُوروں سے زیادہ ہوگا۔کیونکہ ان پر عبادات کا حُسن بھی ہوگا۔صاحبِ مرقات ملاّ علی قاری حنفی اس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں وہ عورت یاتو مشرق و مغرب کے درمیان کوچمکادے یاجنت اور زمین کے تمام علاقہ کو چمکادے۔دوسرے معنیٰ زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ یہاں جنت اور زمین کاذکر ہورہاہے۔ (مرقات)

صاحبِ اشعۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دوسرے معنیٰ کواختیار فرمایا۔ جنتی عورتوں کا حُسن دیکھنے کے لئے آنکھیں بھی دوسری ہی عطاہونگی ،جواس تابش کوجھیل سکیں۔ہم توان آنکھوں سے سورج کو نہیں دیکھ سکتے۔مخلوق توان آنکھوں سے جنابِ مصطفےٰ ﷺ کا اصل رنگ وروپ بھی نہیں دیکھ سکتی۔اسی لئے معراج

رات کے وقت لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی- یعنی سارے معجزے دکھائے گئے مگر یہ بڑا معجزہ معراج دکھایا نہ گیا بلکہ چھپا لیا گیا- صرف سنایا گیا، کیونکہ اس دن حسن مصطفےٰ علیہ السلام اپنے اصلی رنگ میں تھا-

جنتی عورت، جنت اور زمین کے درمیان کے علاقے کو مہکا دے، وہ مہک بھی ایسی ہو جس کی دنیا والے تاب نہ لا سکیں، ہم خالص مشک سونگھیں تو ناک سے خون جاری ہو جائے، وہ مہک تو اَللّٰہُ اَکْبَر-

نَصِیْفُ سے مراد یا تو سر پر باندھنے کا رومال ہے جو امیر عورتیں دوپٹے کے نیچے رکھتی ہیں، یا دوپٹہ ہی مراد ہے، یا اس سے مراد جنتی عورت کی مانگ ہے، مانگ میں موتیوں کی لڑی لگائی جاتی ہے، اس لڑی کے موتیوں کی قیمت دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ ہے- جنتی حوروں کی یہ چیزیں اتنی بیش قیمت ہیں کہ دنیا بھر کے سونے چاندی، ہیرے، جواہرات، لعل و گوہر اس ایک کی قیمت نہیں بن سکتے- (مرآت)

اللہ کی راہ میں چلنے والوں کے ذکر کے بعد ساتھ ہی جنتی عورتوں کا ذکر کیا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی راہ میں چلنے والو! تمہیں بیش بہا انعام و اکرام سے نوازا جائے گا- جنتی کو ملنے والے انعام و اکرام کی عظمت و خوبی کے بیان سے جنتی کی عظمت بآسانی سمجھی جا سکتی ہے، یعنی جو چیز بطور انعام دی جا رہی ہے وہ اتنی خوبیوں والی نعمت ہے، تو جس کو وہ نعمت دی جائے گی اس کی عظمت اس سے کہیں زیادہ ہے-

☆ حدیث نمبر ۱۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَ لَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَ لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ - (مشکوٰۃ باب صفۃ الجنۃ و اھلہا)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر انکا خطرہ گذرا، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھ کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے یا صلاحیت سے یعنی نیک اعمال والے بندوں کے لئے یا جنت کے قابل لوگوں کے لئے۔ پہلی صورت میں جنت کسبی مراد ہے، دوسری صورت میں عام جنت کسبی ہو یا وَہبی ہو

یا عطائی- (کسبی، وہبی، عطائی کی تشریح پہلے گذر چکی ہے-)

جنت کی نعمتیں نہ تو بیان میں آسکتی ہیں نہ گمان میں، وہ تو دیکھ کر ہی معلوم ہونگی- اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو دکھائے- آمین

خیال رہے کہ یہاں آنکھ، کان اور دل سے مراد عام مسلمانوں کے آنکھ، کان اور دل مراد ہیں-ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو وہاں رہ کر آئے ہیں- ہمارے پیارے نبی علیہ السلام نے معراج میں وہاں کی سیر فرمائی اور حضرت ادریس علیہ السلام تو وہاں ہی موجود ہیں-یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں ان جیسی نعمتیں کسی آنکھ نے نہ دیکھیں، کسی کان نے نہ سنیں-واقعی دنیا میں نہ ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ کسی کے دیکھنے میں آئیں-

آیتِ کریمہ میں بھی نفس سے مراد عام لوگ ہیں-آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد دل کی خوشی اور سرور کے اسباب ہیں، جن سے دل میں چین رہے-آج ہم اپنے بیٹوں کو قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہتے ہیں اس آیت کریمہ اور حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں کیوں نہ ہو کہ حضرت آدم وحوا علیہ السلام وہاں رہ چکے ہیں-سرکار دوجہاں دیکھ آئے ہیں-وہاں کی نعمتیں اب دنیا میں بھی آرہی ہیں-نیل و فرات وہاں سے آئے ہیں-اور حجرِ اسود بھی جنت ہی سے آیا ہے-جیسے روایات میں مذکور ہے- (مرآت)

جنتیوں پر جب حسنِ خدا جلوہ فرما ہوگا تو وہ اس دیدار میں مست ہو جائیں گے- حسنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب آشکار ہوگا تو عشاق چین پائیں گے-

٥

☆حدیث نمبر ۱۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِیْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِیْ وَهَبْتُ لَكَ وُضُوْءً فَيَشْفَعُ لَهُ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

(مشکوٰۃ باب الحوض و الشفاعۃ)

☆ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوزخی لوگ صف بستہ ہونگے تو جنتیوں میں سے ایک شخص اُن پر گذرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک کہے گا اے فلاں کیا تو مجھے پہچانتا نہیں میں وہی ہوں جس نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا اور ایک اور دوزخی کہے گا کہ میں وہ ہوں جس نے وضو کا پانی دیا تھا۔ یہ جنتی ان کی شفاعت کرے گا پھر اسے جنت میں داخل کرے گا۔

(ابن ماجہ)

☆تشریح

جنتیوں کے راستے میں گنہگار مسلمان دوزخ میں جانے کے لئے ایسے صف باندھے کھڑے ہونگے جیسے امیر و غنی کی راہ میں بھکاری صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں

(مرقات)

وہ ان سے یہ آس لگائے کھڑے ہونگے کہ کوئی ہمیں پہچان لے اور چھوڑائے۔ادھر جنتی آگے پیچھے گذر رہے ہونگے۔

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ وہ شخص کہے گا کہ میں نے تجھے فلاں وقت کھانا کھلایا ، فلاں وقت سلام کیا، فلاں وقت کپڑا دیا، فلاں وقت تجھے محبت سے کچھ معمولی ہدیہ پیش کیا تھا۔غرضیکہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، یہ بھی اسی طرح سہارا لے گا، یہ دو چیزیں بطور مثال ارشاد ہوئی ہیں۔ (مرقات)

حدیث پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

☆صالحین ، علماء اور شہدا کی شفاعت برحق ہے۔

☆ شفاعت سے ہم جیسے گنہگاروں کی تقدیریں پلٹ جائیں گی، دیکھو یہ پکارنے والا دوزخیوں کی صف میں آگیا تھا، شفاعت کی برکت سے وہاں سے نکل کر جنتی ہوگیا، دعا سے قضا بدل جاتی ہے۔ (مرآت)

☆ ہم جیسے گنہگاروں کو چاہئے کہ صالحین ، مقبولین کی خدمت کیا کریں ۔ ان کی خدمت بڑا کام آئے گی۔ان سے تعلق رکھیں ان سے تعلق بہت فائدہ دے گا انہیں ہدیہ پیش کریں اگرچہ زبانی اچھی بات ہی ہو یعنی محبت والی بات

(مرقات و اشعۃ)

☆ رب تعالٰی کی قدرت یہ ہے کہ ہر ایک کو براہِ راست بغیر وسیلہ ہر چیز دے ، مگر قانون یہ ہے کہ گنہگاروں کو نیکو کاروں کے وسیلہ سے دے۔ دیکھو ان دوزخی صف والوں کو رب ہی بخشے گا مگر جنتی راہ گذروں کی شفاعت سے ، بلکہ ان لوگوں کو جنتیوں کے راستہ میں اسی لئے کھڑا کرے گا کہ انہیں ان کے وسیلے سے شفاعت کی بھیک ملے۔

☆ دنیا میں اللہ والوں سے تعلق چاہیے، ان کا دیکھنا بھی کل قیامت میں کام آئے گا۔

اٹھ جاگ فریدا ستیا، خلقت ویکھن جا
مت کوئی بخشیا مل پوے کہ تو بھی بخشیا جا

قیامت میں جان پہچان بھی کام آئے گی یُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ فرما کر یہ بتایا کہ وہ جنتی اس دوزخی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

☆ قیامت کے دن لوگوں کو اپنے اچھے برے اعمال یاد ہونگے - دنیا کی دوستیاں آپس کے سلوک یاد ہونگے ایک دوسرے کی پہچان ہوگی۔

☆ وفات یافتہ بزرگوں کی فاتحہ، ختم قرآن وغیرہ انشاء اللہ قیامت میں کام آئے گی کیونکہ اس میں بھی ان حضرات کی خدمت میں کھانے پانی وغیرہ کا ثواب ہدیہ کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے ذریعے ہم کو ان کی شفاعت نصیب ہو جائے۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۲۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَعَدَنِیْ اَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْبَعَ مِائَةَ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ هٰكَذَا فَحَثَ بِكَفَّيْهِ وَ جَمَعَهُمَا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ هٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ مَا عَلَيْكَ اَنْ يُّدْخِلَنَا اللّٰهُ كُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ

عُمَرُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اِنْ شَاءَ اَنْ یُّدْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ بِکَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ رَوَاهُ فِی شَرْحِ السُّنَّةِ۔

(مشکواۃ باب الحوض والشفاعۃ)

☆ ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے چار لاکھ کو بغیر حساب جنت میں داخل کرے گا۔ تو جناب ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو اور زیادہ دیجئے، فرمایا اور اس طرح پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں زیادہ دیجئے، فرمایا اور اسی طرح، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابو بکرؓ ہمیں چھوڑ دو بھی تو ابو بکرؓ نے فرمایا تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کر دے، وہ کر سکتا ہے، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمرؓ سچ کہتے ہیں۔ (شرح سنہ)

☆ تشریح

چار لاکھ کی یہ تعداد حضور ﷺ کی امت کی ہے، جو احکامِ شرعیہ کے مکلف

تھے - انبیاء کرامؑ ، مومنوں کے نا سمجھ بچے جو فوت ہو جائیں ، دیوانے جو دیوانگی میں فوت ہوئے ان کا کچھ حساب نہیں - انبیاء کرام کے بلا حساب جنّت میں داخلے کی تائید یہ آیت کریمہ کر رہی ہے - يُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (پ ۲۴ مومن) ترجمہ = وہ جنّت میں داخل ہونگے اور انہیں وہاں بغیر حساب رزق دیا جائے گا) ان چار لاکھ کے علاوہ ربِ تعالیٰ کے لپ بھر اور بھی بغیر حساب جنّت میں جائیں گے حق تعالیٰ ان مومنوں کو اپنے دونوں دستِ قدرت میں لے کر وہاں پہنچادے گا - خدا کرے ہم بھی اس لپ میں ہوں ، منہ چھوٹا ہے طلب بڑی ہے مگر وہ بڑی قدرتوں والا ہے - حضور علیہ ﷺ نے دونوں ہاتھ جمع فرما کر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ مٹھی بھر کر نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر بخشے گا -

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ علیہ ﷺ اور زیادہ بخشش کی خبر دیجئے اور زیادہ بخشش کرائیے - حضور علیہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ کو بغیر حساب عذاب سے بخشے - کیونکہ ربِ تعالیٰ ، آپؐ کی بات ٹالتا نہیں جو آپؐ کہتے ہیں رب وہی کرتا ہے - وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ترجمہ = اور عنقریب تمہارا رب تمہیں عطا کرے گا سو آپ راضی ہو جائیں گے -

(پ ۳۰ ضحیٰ)

حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابو بکرؓ یہ اجمال رہنے دو زیادہ کی تصریح نہ کراؤ تا کہ ہم خوف وامید پر اعمال کرتے رہیں - صدیق اکبرؓ کہنے لگے عمرؓ ذرا خاموش تو رہو میں حضور علیہ ﷺ سے ساری امت کے لئے بے حساب جنتی ہونے کا وعدہ لے لیتا ہوں اے عمرؓ تمہارا اس میں کیا بگڑتا ہے کہ سارے امتی بے حساب جنتی ہو جائیں - خیال رہے کہ اللہ ورسول کے بعد حضرت صدیق سب سے بڑھ کر رحیم وکریم ہیں

حضرت عمرؓ کہنے لگے اے ابو بکرؓ تم جو کچھ چاہتے ہو وہ تو حاصل ہو گیا کہ صرف چار لاکھ کا حضور علیہ ﷺ نے ذکر نہیں فرمایا، ساتھ ہی رب کے لپ بھر کا بھی ذکر ہے، یہ لپ بڑا ہی وسیع ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ لپ سے پاک ہے یہاں دستِ قدرت کا لپ مراد ہے۔

یہاں صدیق اکبرؓ کی عرض و معروض میں غلبۂ امید کی جھلک ہے اور عمر فاروقؓ کی عرض و معروض میں رضا بالقضاء کا ظہور ہے۔اس لئے حضرت عمرؓ کے قول کی تائید بارگاہِ نبوت سے ہوئی۔ نیز سب لوگ بغیر حساب بخش دیے جائیں تو شفیعوں کی شفاعت، محبوبوں کی محبوبیت، گرتوں کے سہارے دینے والے، ڈوبتوں کو ترانے، بگڑتوں کو بنانے، گرتوں کو سنبھالنے کا ظہور کیسے ہو۔اس لئے حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی گئی .اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ قیامت میں گنہگاروں کو بخشنا بھی ہے مگر محبوبیت کی شانِ بندہ نوازی بھی دکھانی ہے۔ (مرآت)

علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدھی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں۔ چنانچہ میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہو گی جو شرک پر نہیں مرے گا۔

علامہ مذکور نے شرح مسلم میں ۴۹ اقسام کی شفاعت کا بھی ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک قسم "جب تک چاہیں شفاعت کریں" بھی ہے۔ (شرح مسلم

☆ حدیث نمبر ۲۱

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلاً مِّنْ اُمَّتِىْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلاَئِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ سِجِلاًّ كُلُّ سِجِلٍّ مِّثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَ تُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظْلَمَكَ كَتَبَتِىَ الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لاَ يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لاَ يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ لاَ ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذَا الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلاَّتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لاَ تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلاَّتُ فِىْ كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِىْ كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلاَّتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلاَ يَثْقُلُ مَعَ اِسْمِ اللّٰهِ شَىْءٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ

(مشکوٰۃ باب الحساب والقصاص والمیزان)

☆ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے چھانٹے گا تو اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے۔ ہر دفتر تاحدِ نگاہ ہوگا۔ پھر فرمائے گا کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا تجھ پر میرے نگران کاتبین نے ظلم کیا ہے، عرض کرے گا نہیں یارب۔ پھر فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ عرض کرے گا، نہیں یارب۔ تو فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی بھی ہے اور آج تجھ پر ظلم نہ ہوگا، تو ایک ورق نکالا جائے گا جس پر لکھا ہوگا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ رب فرمائے گا جا اپنے تول پر حاضر ہو وہ کہے گا یارب یہ ورق ان دفتروں کے مقابل کیا ہے۔ رب فرمائے گا کہ ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر یہ ورق ایک پلڑے میں اور دفتر دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور وہ ورق بھاری ہو جائے گا۔ اللہ کے نام کے مقابل کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ (ترمذی ابن ماجہ)

☆تشریح

باقی مخلوق سے ایک شخص کو الگ کر کے اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے۔ اور اسے دکھائے جائیں گے، لفظ سِجِلّ سین اور جیم پر زیر اور لام پر شد یعنی قرآن کریم میں دفتر کے محافظ فرشتے کو سجل فرمایا گیا ہے۔

کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ترجمہ = جیسے خطوں کا طومار لپیٹ لیتے ہیں۔

(پ ۷ انبیاء)

خیال رہے قیامت میں کوئی شخص اندھا، کانا، ان پڑھ نہ ہوگا ہر جاہل سے جاہل شخص بھی اس دن سب کچھ پڑھے گا- یہ بھی خیال رہے کہ بندے کا یہ اقرار جرم ہی اللہ تعالیٰ کو آج بھی پیارا ہے کل قیامت میں بھی پیارا ہوگا- اللہ تعالیٰ اقرارِ جرم کی توفیق دے بہانہ بازیاں اور انکارِ جرم بڑی سخت پکڑ ہے- اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا ہے-

عذرِ بدتر از گنہ کا ذکر کیا ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجیے

یہاں عذر سے مراد اپنی معذوری یا بہانہ ہے جو گناہ کا باعث ہو یعنی کیا تیرے پاس کوئی وجہ گناہ موجود ہے، بندہ عرض کرے گا کوئی عذر نہیں میں نے بغیر کسی مجبوری بغیر کسی بے علمی کے گناہ کئے ہیں، میں گنہگار ہوں معافی دے دیجئے- جس لائق میں تھا وہ میں نے کر دیا جو تیری شانِ عالی کے لائق ہے وہ تو کر- میں گنہگار ہوں تو ستار و غفار ہے مہربانی فرما-

صاحبِ لمعات فرماتے ہیں کہ بندے کے اس عذر پر دریائے رحمت جوش میں آجائے گا- بطاقہ وہ چھوٹا سا پرچہ جو حفاظت کے لئے کپڑے میں لپیٹ کر رکھا جائے، طاق کپڑے کی تہہ کو کہتے ہیں ،،ب،، زائد ہے- (قاموس و لمعات)

معلوم ہوا مومن کا کلمہ طیبہ رب کی بارگاہ میں بڑا محفوظ ہوتا ہے- یہ کلمہ وہ ہوگا جسے مومن زندگی میں صدقِ دل سے پڑھا کرتا تھا، اور جو اس نے مرتے وقت پڑھا تھا اسی پر جان رب کے سپرد کی تھی- اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ کلمہ طیبہ پر فرمائے- آمین

اس بندے کو کہا جائے گا کہ میزانِ اعمال پر جا اور اپنے دفتروں کو اس پرچہ

سے وزن کرا۔ معلوم ہوا وہاں وزن باتوں سے نہ ہو گا بلکہ نیک اعمال کا برے اعمال سے ہو گا، اس لئے حضرت انبیاء کرامؑ اور خاص اولیاء اللہ کے لئے وزن نہیں کیونکہ کوئی گناہ نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو۔

وہ عرض کرے گا یارب اس وزن سے سوائے میری رسوائی کے اور کیا ہو گا ابھی تو معاملہ تیرے حضور ہے اور جب وزن ہوا تو اس وزن کو سب دیکھیں گے وہاں یہ پرچہ یقیناً ہلکا ہو گا۔ تو میری رسوائی ہی ہو گی۔ اس لئے وزن نہ کرا، بلکہ میرا پردہ رکھ لے۔ یہ تو بندے کی عرض تھی لیکن اللہ کے حکم سے کلمۂ شہادت کا وہ پرچہ نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور گناہوں کے پلہ میں لاکھوں من کے دفتر، معلوم ہوا وزن خود اعمال کا نہ ہو گا بلکہ اعمال کی تحریروں کا ہو گا۔ جو نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اور جسے چاہے بخش دے)

خیال رہے کہ قیامت کے دن وزن بقدر اخلاص ہو گا منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے، آج مرزائی، چکڑالوی وغیرہ بھی کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کے کلمے کا کوئی وزن نہیں، گویا یہ بے معنی الفاظ ہیں۔ حضور علیہ السلام کے نامِ مبارک کا جب یہ وزن ہے تو سمجھو کہ حضور علیہ السلام کے اعمال کا وزن کیا ہو گا۔ حضور علیہ السلام کا ایک سجدہ ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کے گناہوں سے زیادہ وزنی ہو گا۔ خدا تعالیٰ ہماری بدکاریوں کو ہماری نیکیوں سے نہ تولے بلکہ اس راتوں کو رونے والے، گنہگاروں کے غم کھانے والے، امت کے رکھوالے کے سجدہ سے وزن فرمادے تاکہ ہم ڈوبتوں کا بیڑا پار ہو جائے۔

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اعمال کا وزن نہ ہو گا کیونکہ کارخانۂ قدرت میں کوئی ترازو ایسا نہیں بنا جو حضور علیہ السلام کے اعمال تول سکے، جس

طرح آج بھی کوئی ترازو ایسا نہیں جو سمندر کے پانی یا ہوا کو تول سکے، سورج کی روشنی کا کوئی صحیح میٹر نہیں ہے۔ (مرآت)

حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ ایک پلڑے میں گناہوں کے لاکھوں من دفتر اور دوسرے پلڑے میں صرف کلمۂ شہادت ہوگا جو ان لاکھوں دفتروں سے زیادہ وزنی ہوگا۔ اور یہ گنہگار صرف کلمۂ شہادت کی بناء پر جنت میں داخل ہوگا۔

اس شانِ کریمی نے کچھ اس انداز سے تولا
بھاری ہی رہا میرا دیدۂ تر دامنِ تر سے

☆ حدیث نمبر ۲۲

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفٍ لَا حِسَابَ عَلَیْهِمْ وَلَا عَذَابَ مع کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّ ثلث حشیات مِّنْ حشیات رَبِّیْ رواهُ احمد و الترمذیَ و ابن ماجةَ

(مشکوٰۃ باب الحساب والقصاص والمیزان)

☆ ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

فرماتے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار جنت میں اس طرح داخل فرمائے گا کہ نہ ان کا حساب ہوگا نہ عذاب اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار، میرے رب کے لپوں میں سے تین لپ۔

(احمد ترمذی ابن ماجہ)

☆ تشریح

عربی زبان میں لفظ سبعتین یا سبعین الف زیادتی بیان کرنے کے لئے آتا ہے وہی یہاں مراد ہے لاحساب کے معنی ہیں کہ ان سے مطلقاً حساب نہ ہوگا اور جب حساب ہی نہ ہو تو عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان سے نہ حساب یسیر ہوگا نہ حساب مناقشہ - صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ یہاں حساب مناقشہ کی نفی ہے۔ پیشی والا حساب تو ہوگا۔ (مرقات)

حساب سے مراد حسابِ قیامت ہے اور ہو سکتا ہے کہ حسابِ قیامت اور حسابِ قبر دونوں مراد ہوں نہ حسابِ قبر سب کے لئے ہے نہ عذابِ قیامت سب کے لئے ہے۔ بعض حضرات ان حسابوں سے الگ ہیں (ماوراء ہیں) (مرآت)

پہلے ستر ہزار تو وہ تھے جو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بے حساب جنتی ہوئے اور یہ دوسرے ستر ہزار وہ ہیں جو ان پہلے والوں کے طفیل ان کی خدمت، ان کے قرب کی وجہ سے بے حساب جنت میں جائیں گے۔ گلدستہ میں پھولوں کے ساتھ اگر گھاس بھی بندھ جائے تو وہ بھی عزت پا جاتی ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کے

ساتھ بے شمار لوگ ہونگے جو ان کے طفیل بخشے جائیں گے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

؎ شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم
بَداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

ترجمہ = میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن بروں کو نیکوں کے طفیل اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

ظاہر یہ ہے کہ ثَلٰثَ معطوف ہے سَبْعُوْنَ اَلْفًا پر مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار اور رب تعالیٰ کے تین لپ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے سَبْعِیْنَ اَلْفًا پر اور یَدْخُلُ کا مفعول ہے۔ یعنی مجھ سے رب نے وعدہ فرمایا کہ تین لپ بھر اور بھی جنت میں بے حساب بھیجے گا۔ مگر پہلے معنیٰ زیادہ قوی ہیں۔ لپ سے مراد ہے بے اندازہ کیونکہ جب کسی کو بغیر گنے بغیر تولے ناپے دینا ہوتا ہے تو وہاں لپ بھر بھر کر دیتے ہیں۔

یہ حدیث متشابہات سے ہے ورنہ ربِ تعالیٰ مٹھی اور لپ سے پاک ہے۔

(مرآت)

ایک مجلس وعظ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو بے شمار نعمتیں عطا کیں اور علومِ غیبیہ سے نوازا، لیکن جب اپنے آخری نبی محبوب آخر الزماں کی باری آئی تو اپنی تمام و کمال نعمتیں ساری کی ساری انڈیل دیں۔ جیسے کہ کسی آدمی کی بہت اولاد ہو، تو وہ جھول بھر کر اپنی اولاد میں شیرینی تقسیم کرنے لگے اور جب آخری بیٹا آئے تو اس پر اپنی پوری جھول نچھاور کر دے۔ کہ یہ سب کچھ تم لے لو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انعام و اکرام کی سب نعمتیں اپنے

محبوب نبی کو عنایت کردیں۔

☆ حدیث نمبر ۲۳

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَیَضَعُ عَلَیْہِ کَنَفَہٗ وَ یَسْتُرُہٗ فَیَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا فَیَقُوْلُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ حَتّٰی قَرَّرَہٗ بِذُنُوْبِہٖ وَرَاٰی فِیْ نَفْسِہٖ اَنَّہٗ قَدْ ھَلَکَ قَالَ سَتَرْتُھَا فِی الدُّنْیَا وَاَنَا اَغْفِرُھَا لَکَ الْیَوْمَ فَیُعْطٰی کِتَابَ حَسَنَاتِہٖ وَاَمَّا الْکُفَّارُ الْمُنَافِقُوْنَ فَیُنَادِیْ بِھِمْ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّھِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

(مشکوٰۃ باب الحساب و القصاص والمیزان)

☆ ترجمہ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قریب کرے گا اس پر اپنا پردہ رکھے گا۔ اور اسے چھپائے گا، پھر فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے ؟ وہ کہیں گے ہاں یارب، حتیٰ کہ اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرالے گا۔ اور وہ شخص اپنے دل میں سمجھے گا کہ ہلاک

ہوا، رب فرمائے گا کہ میں نے یہ عیب دنیا میں چھپا لئے تھے اور آج انھیں بخشتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی کتاب اسے دے دی جائے گی لیکن کفار و منافقین کے سامنے پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولیں۔ خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کَنَف کے کئی معنی ہیں ، پردہ، حفاظت ، نگاہ ، سایہ ، پرندے کے بازو وغیرہ مگر یہاں پردہ کے معنی میں ہے۔ (اشعۃ)

چونکہ پرندہ انہیں بازوؤں ، پروں سے اپنے انڈوں بچوں کو چھپاتا بھی ہے اور ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اس لئے اسے کَنَف کہتے ہیں۔

قیامت کے دن مومن کو گناہوں کے حساب کے وقت محشر والوں سے چھپایا جائے گا کسی کو خبر نہ ہوگی کہ رب نے کیا حساب لیا اور بندے نے کیا حساب دیا (مرآت)

فرمان پاک سے معلوم ہوا کہ مومن اپنے گناہوں کا فوراً اقرار کرلے گا۔ وہاں بہانے نہ بنائے گا بلکہ کفار و منافقین جھوٹ بولیں گے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (اور اللہ کی قسم ہم مشرکوں سے نہ تھے) (پ ۷ انعام)

یہ بھی معلوم ہوا کہ مومنوں کی نیکیوں کا حساب علانیۃً ہوگا اور گناہوں کا

حساب خفیہ ہوگا۔ بلکہ نیکی مومنوں کے چہرے پر نمودار ہوگی کہ ان کے منہ چمکتے ہونگے مگر بدوں کی برائیاں چہروں پر ظاہر نہ ہونگی ان کے منہ نہ بگڑیں گے کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ پردہ پوش لجپال محبوب ﷺ کی امت میں سے ہیں۔ان کی پردہ پوشی دنیامیں بھی ہے آخرت میں بھی ہوگی۔

گناہگار سوچے گا کہ اب میں پکڑا گیا، عذاب میں گرفتار ہوا، وہ شخص یہ دل میں ہی سوچے گا کسی کو بتائے گا نہیں، اس لئے فی نفسہٖ فرمایا گیا، رب بھی اس شخص کے عیب چھپائے گا اور بندہ بھی خاموش رہے گا۔ اس فرمانِ الٰہی سے یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ یہاں دنیا کے چھپے گناہوں کو جو بندہ خود ہی اعلانیہ کرتا رہا ہو پھر وہاں بھی اعلان ہوگا۔

حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ مومن کی بخشش ضرور ہوگی۔کسی کو اوّل ہی بخشا جائے گا، کسی کو کچھ سزا دے کر، کسی کو شفاعت کے پانی سے اس کے گناہ دھو کر ، کسی کی بخشش دوزخ کی آگ میں کچھ روز تپا کر ، بہر حال ہر گنہگار کی بخشش یقینی ہے، کیوں نہ ہو کہ محبوب کی امت ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے
جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

قیامت میں اس مومن کو تحریر دی جائے گی یہ تحریر گویا جنت کا پیانہ اور ویزا ہوگا۔اس میں بندے کی نیکیوں کا ذکر تو ہوگا مگر گناہوں کا تذکرہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تو معاف کردیئے گئے۔ کفار و منافقین کی نیکیوں کا ذکر تک نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سب رد ہوچکیں۔ بغیر ایمان کے کوئی نیکی صدقہ وغیرہ قبول نہیں نیز وہ لوگ ان نیکیوں کا بدلہ دنیا میں اللہ کی نعمتیں استعمال کرچکے، ہاں ان کے گناہوں کا اعلان بھی ہوگا

اور ان کا حساب بھی اعلانیہ ہوگا کیونکہ وہ پردہ پوش نبی علیہ السلام کے دامن سے دور رہے۔

لہٰذا اے مومن تو اپنے سَتَّارُ الْعُيُوب اور غَفَّارُ الذُّنُوب رب سے بخشش کی امید بھی رکھ اور اس کی ناراضگی کا خوف بھی رکھ۔ اسی امید و خوف کے درمیان ایمان ہے۔

مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے عیوب تلاش کر کے ان کا اظہار کرتا پھرے۔

☆ حدیث نمبر ۲۴

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْیءُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ کَنِظَامٍ قُطِعَ

سِلۡکُہٗ فَتَتَابَعَ رَوَاہُ التِّرۡمِذِیۡ۔

(مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب غنیمت کو اپنی دولت اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو ٹیکس بنالیا جائے اور غیر دین کے لئے علم حاصل کیا جائے اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے اور اپنے دوست کو قریب اور باپ کو دور کرے اور مسجدوں میں آوازیں اونچی ہوں، اور آدمی کی تعظیم اس کے شر کے خوف سے کی جائے اور رنڈیاں، باجے ظاہر ہو جائیں اور شراب پی جائے، اور اس کے پچھلے، پہلے والوں پر لعنت کریں۔ اس وقت تم سُرخ ہوا، زلزلہ، دھنسنا اور صورتیں بدلنا، پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ہوں گی، جیسے ہار جس کا دھاگہ توڑ دیا جائے تو لگاتار گرے۔

(ترمذی)

☆ تشریح

جہاد میں مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوتا ہے گویا غنیمت غازیوں کا حصہ ہوتا ہے مگر قریبِ قیامت مالِ غنیمت مالدار آپس میں تقسیم کرلیا کریں گے اور غریب غازیوں کو اس سے محروم کردیا کریں گے، اسے اپنی دولت سمجھیں گے۔ اور امانت کا مال، مالِ غنیمت کی طرح ہضم کر جائیں گے۔ زکوٰۃ ٹیکس سمجھ کر ادا کریں

گے یعنی بے دلی اور بددلی یا مجبور ہو کر دیں گے۔ مسلمان دینی علوم چھوڑ کر دنیاوی علوم پڑھیں گے یا دینی علوم دین کے لئے نہیں بلکہ دنیا کمانے کے لئے پڑھیں گے، تبلیغِ دین کے لئے نہیں پڑھیں گے۔ جیسے آج عربی فاضل، تنظیم المدارس یا فقہ و تفسیر و حدیث کی ایک آدھ کتاب صرف امتحان کے لئے پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا مقصد امتحان پاس کر کے نوکری حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بعض صرف وعظ گوئی کے لئے دینی علم پڑھتے ہیں۔ (مرآت)

خیال رہے دنیاوی علوم پڑھنا جرم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جدید علوم سیکھنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم بھی ضرور حاصل کریں، تاکہ اپنے پیارے مذہب سے بھی واقفیت حاصل ہو۔ مقامِ افسوس ہے کہ آج بعض ایم اے پاس کو دعائے قنوت یا نماز جنازہ بھی یاد نہیں بلکہ تجربہ ہے کہ بعض میٹرک پاس کو غسل کے فرائض تک کا علم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نصیب فرمائے۔ (مرآت)

نبی کریم ﷺ نے علامات قیامت بتاتے ہوئے فرمایا کہ آدمی بیوی کے کہنے میں آکر ماں سے دُور رہے گا۔ ماں کی نافرمانی کرے گا۔ نیک باپ سے نفرت اور فاسق دوستوں سے محبت کرے گا۔ غرض یہ کہ بیوی اور دوستوں کی محبت میں والدین کو ستائے گا۔ اور مسجدوں میں دنیاوی باتوں کا شور، لڑائیاں جھگڑے ہونے لگیں گے۔ دیکھ لو آج مسجدوں میں قتل ہو رہے ہیں محفلِ نعت، میلاد شریف، ذکر کے حلقے تو حضور ﷺ کے زمانہ ہی میں مسجدوں میں ہوتے تھے یعنی آپ ﷺ کی ظاہری موجودگی میں۔ بلند آواز میں ذکر ہوتا تھا۔ حضرت حسانؓ مسجد نبویؐ میں حضور ﷺ کی نعت شریف پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ نے مسجد میں اپنا میلاد خود ارشاد

فرمایا ہے۔ لوگ حضور علیہ السلام کے وعظ پر نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے لہٰذا یہ آوازیں یہاں مراد نہیں۔ (مرآت)

آدمی کی تعظیم اس کی شرارتوں کے خوف سے، رنڈیاں باجے ظاہر ہونا اور فاسق و فاجر کا سردار بننا۔ یہ تینوں باتیں آج دیکھی جا رہی ہیں۔ شریر لوگوں کے سامنے حق بات کہنے سے لوگ ڈرتے ہیں۔ عرب کے عام علاقوں میں شراب کھانے کا جزو بن چکی ہے۔ ریڈیو ٹی وی کے علاوہ آج ڈش انٹینا سے اکثر گھر رنڈی خانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر درو دیوار سے گانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ یہودی لابی کے فحش لٹریچر سے ہماری نسل تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔

سرکارِ دو عالم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب مسلمانوں میں مذکورہ عیوب جمع ہو جائیں گے تو ان پر پانچ دنیاوی عذاب یکے بعد دیگرے مسلسل آئیں گے۔ یعنی سرخ ہوا، زلزلہ، دھنسنا، صورتیں بدلنا اور پتھر برسنا، یہ عذاب اس طرح آئیں گے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے پر اس کے دانے مسلسل اوپر تلے گرتے ہیں۔ دیکھ لو مسلمانوں میں یہ تمام عیوب پیدا ہو چکے ہیں۔ بعض عیوب مسلمانوں میں ایسے بھی پیدا ہو چکے ہیں جو کسی دوسری قوم میں نہیں مثلاً مسجدوں کی بے ادبی، سلفِ صالحین کو مشرک کہنا ان کو گالیاں بکنا، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خچر کے کھر کے نعل کا بھی بڑا ادب و احترام کرتے ہیں۔ مگر مسلمان خود ہی حضور علیہ السلام کی ذات اقدس میں نقائص کی تلاش میں سرگرداں ہیں آپ علیہ السلام کے تبرکات خود مٹا رہے ہیں ساری قومیں اپنے بزرگوں کا بڑا احترام کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو ہنومان کا ادب کرتے ہیں جو رام چندر کا ساتھی تھا اور مصیبت کا مددگار تھا۔ مگر مسلمان قوم میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنے نبی کی بیویوں، دوستوں پر تبرا کرنا عبادت سمجھتے

ہیں۔ (مرآت)

ابن عساکرؒ نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت ایمان ہے۔ان سے بغض کفر ہے، جو میرے صحابہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو ان کی عزت کی حفاظت کرے میں اس کی حفاظت کروں گا۔ (مرقات)

دیکھ لو اب مذکورہ عذاب آنے شروع ہو چکے ہیں ہر جگہ مسلمان زمینی اور آسمانی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ (مرآت)

☆حدیث نمبر ۲۵

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُوْنَ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ (مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ)

☆ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ زمانہ جلد گذرنے لگے گا۔تو ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح ، ایک دن ایک گھڑی کی طرح ،اور

گھڑی آگ سلگانے کی طرح۔ (ترمذی)

☆ تشریح

یہ زمانہ یا تو اس طرح گذرے گا کہ زمانہ اور وقت میں برکت نہ ہوگی انسان ایک کام بھی نہ کر سکے گا کہ دن ختم ہو جائے گا یا اس طرح کہ لوگ مصیبتوں ، آفتوں میں مبتلا ہو جائیں گے کہ انہیں وقت محسوس نہ ہوگا۔ مصیبت کا زمانہ اگر محسوس کیا جائے تو دراز محسوس ہوتا ہے اگر احساس ہی نہ رہے اور ہوش اڑ جائے تو وقت محسوس ہی نہیں ہوتا یا لوگوں میں عیش و آرام بہت زیادہ ہوگا اور عیش و آرام کا زمانہ محسوس نہیں ہوتا۔

"ضرمہ" ض کے فتح اور "ر" کے کسرہ سے بمعنیٰ آگ سلگانا جو جلانے سے پہلے ہوتا ہے یہ فرمانِ عالی بطور مثال سمجھانے کے لئے ہے۔ یہاں ساعت سے مراد پل، سیکنڈ یا گھڑی نہیں بلکہ کم از کم ایک گھنٹہ مراد ہے۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۲۶

وَعَنْ عَلِيّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِیْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ اِلَّا هُوَ يَقُوْلُ اَ

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

(مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ترجمہ

حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا کہ ہم لوگ اس کے بعض اطراف میں گئے، تو جو درخت، پتھر آپ ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔

(ترمذی و دارمی)

☆تشریح

غالبًا یہ واقعہ ظہورِ نبوت کے بعد کا ہے، آپؓ کسی کام کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ مکہ کے اطراف میں گئے تھے۔

ظاہر یہ ہے کہ درختوں، پتھروں کا یہ سلام حضرت علیؓ نے خود سنا۔ لہٰذا اس واقعہ میں حضور ﷺ کا معجزہ اور حضرت علیؓ کی کرامت دونوں کا ذکر ہے۔ اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عرض کرنا ،، اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه ،، شرک یا حرام نہیں بلکہ جائز ہے، اسے تو پتھر اور درخت بھی حرام نہیں سمجھتے، نماز میں سبھی پڑھتے ہیں ،، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ،، سلام ہو آپ پر اے نبی ﷺ۔

ترمذی اور دارمی کی ایک اور روایت میں حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ

ابو طالب شام کی طرف گئے ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ قریش کے سرداروں کی جماعت میں تشریف لے گئے، جب وہ راہب پر پہنچے تو اترے، سواریاں کھولیں، ان کے پاس راہب آگیا، حالانکہ اس سے قبل یہ لوگ گزرتے تھے تو وہ ان کے پاس نہ آتا تھا- وہ لوگ ابھی اپنا سامان کھول رہے تھے کہ راہب ان لوگوں کے درمیان گھسنے لگا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور بولا یہ تمام نبیوں کے سردار ہیں- یہ ربُ العالمین کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا، تو قریش کے سرداروں نے پوچھا تجھ کو کیسے علم ہوا- وہ بولا تم جب اس گھاٹی کے سامنے آئے تو تمام درختوں اور پتھروں نے سجدہ کیا- یہ مخلوق اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتی اور میں اس مہرِ نبوت سے پہچان گیا ہوں جو ان کے کندھے کی ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے-

راوی فرماتے ہیں کہ راہب چلا گیا ان کے لئے کھانا تیار کرا کے لایا تو اس وقت حضور ﷺ اونٹ چرانے میں مشغول تھے- وہ کہنے لگا انہیں بلا لاؤ چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا- جب آپ ﷺ قریب آئے تو دیکھا کہ درخت کے سائے پر قبضہ ہو چکا ہے چنانچہ آپ ﷺ ایک طرف بیٹھ گئے درخت کا سایہ آپ ﷺ پر جھک گیا- پھر وہ راہب بولا میں تم کو قسم دیتا ہوں ان کا ولی کون ہے لوگوں نے کہا ابو طالب ہیں وہ انہیں قسمیں دیتا رہا کہ یہ شخصیت ایسی ہے کہ کسی وقت بھی کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے- انہیں واپس لے جاؤ حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ ﷺ کو واپس بھیج دیا - راہب نے بسکٹ اور زیتون کا توشہ دیا تھا

(مرآت)

شیخ محقق عبد الحق دہلوی فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کی عمر بارہ

سال تھی۔ابو طالب تجارتی قافلہ لے کر مکہ سے شام کی طرف گئے تھے۔حضور ﷺ
خوشی تشریف لے گئے تھے ،گویا راز یہ تھا کہ راہب جمال دیکھ کر ایمان لائے۔اس
عیسائی پادری کا نام عیرہ تھا اور اس کی منزل کا نام بصری تھا جو شام میں ہے۔

(اشعۃ)

پادری انجیل کا بڑا عالم تھا اور عابد بھی،وہ اس راستے پر بیٹھا ہی اس لئے تھا کہ نبی
آخرالزماں ﷺ اس راہ سے گزریں گے،گویا اسے زیارت کا شوق تھا۔
ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ اَلْعَالَمِیْنَ سے مراد اوّلین و آخرین تمام
جہان ہیں۔حضورؐ گذشتہ ،موجودہ ،آئندہ ساری مخلوق کے نبیِ رحمت اور سردار
ہیں - اب سارے انبیاء کرامؑ اور ان کی امتیں حضور ﷺ کی امت ہیں۔

(مرقات)

وہ راہب اس زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھا اس نے کشف سے ان تمام کا
سجدہ دیکھ لیا تھا۔خیال رہے اولیاء اللہ کا وجود دین کی حقانیت کی دلیل ہے۔اس وقت
عیسائیت تھی وہاں اولیاء اللہ تھے،عیسائیت منسوخ ہوتے ہی ولایت نہ رہی ،معلوم
ہوا جس مذہب میں ولی ہوں وہ مذہب حق ہے۔
گرمیوں میں دن کے وقت بادل حضور انور ﷺ پر سایہ کرتا تھا رات کو
نہیں اور سردیوں کے موسم میں سایہ نہ کرتا تھا۔ آپ ﷺ کا جسم اقدس اوّل ہی
سے بے سایہ اور خوشبودار تھا۔ کبھی جسم مبارک پر مکھی نہیں بیٹھی،بعض نادان کہتے
ہیں کہ جب حضور انور ﷺ پر بادل سایہ کیے رہتا تھا تو جسم اقدس کا بے سایہ ہونا
کیونکر معلوم ہوا۔ان کا یہ سوال عبث ہے کیونکہ سایہ صرف دھوپ میں نہیں پڑتا
بلکہ چاندنی میں اور شمع کے سامنے بھی پڑتا ہے۔اور رات کے وقت بادل سایہ نہ کرتا

تھا، نیز سردیوں میں بھی بادل کا سایہ نہ ہوتا۔ (مرآت)

صاحبِ اشعۃ فرماتے ہیں کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس دوران جب کہ حضورؐ بمعہ قافلہ شام جارہے تھے، توراہب کو سات رومی ملے جو حضور ﷺ کے قتل کے ارادے سے اس طرف آرہے تھے۔ انہیں بھی کاہنوں نے پتہ بتایا تھا کہ نبی آخرالزمان اس ماہ اس راستے سے گذریں گے۔ بحیرہ نے بمشکل انہیں واپس کیا۔

(اشعۃ)

مسلم شریف میں حضرت جابرؓ بن سمرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکّہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (شرح مسلم)

وہ پتھر ان لوگوں سے کہیں افضل ہیں جو آج بھی اپنے نبی ﷺ پر سلام بھیجنے پر ہمہ وقت معترض رہتے ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۲۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِنْ مَاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ

اللّٰہِ فَلَقَدْ رَاَیْتُ الْمَاءَ یَنْبَعُ مِنْ بَیْنِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَھُوَ یُؤْکَلُ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔

(مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم انہیں ڈر کی چیز سمجھتے ہو ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو پانی کم ہو گیا، فرمایا کچھ بچا کھچا پانی تلاش کرو، لوگ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ حضور ﷺ نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال دیا، پھر فرمایا آؤ برکت والے پاک پانی اور اللہ کی برکت پر۔ میں نے پانی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا ہے اور یقیناً ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے حالانکہ وہ کھایا جاتا تھا۔ (بخاری)

☆ تشریح

حدیث شریف میں آیات سے مراد حضور ﷺ کے معجزات ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم ان قرآنی آیات سے یہ مت سمجھ لینا کہ معجزات ڈرانے یا قوموں پر عذاب کے لئے ہی آتے ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ بلکہ

مومنین کے لئے رحمت ہوتے ہیں، اور سرکش کے لئے عذاب جو معجزہ مانگیں اور دکھائے جانے پر ایمان نہ لائیں ان پر عذاب آجاتا ہے۔

سرکار نے فرمایا کسی برتن میں کسی کے پاس کچھ بچا کھچا پانی ہو تو لاؤ۔ خیال رہے یہاں برکت کا معجزہ دکھانا مقصود تھا۔ اس لئے پانی منگوایا۔ ورنہ آپ علیہ السلام کو اس بات کی ضرورت نہ تھی، سوکھے برتن میں بھی پانی پیدا ہو سکتا تھا۔ فرمایا یہ پانی پاک اور پاکر بھی ہے، اور برکت والا بھی ہے کہ تھوڑا پانی سب کو کافی ہوگا اور تمام پانیوں سے افضل اور اعلیٰ بھی ہے کہ ہماری انگلیوں سے اس کا چشمہ پھوٹا ہے۔ دنیا میں تین پانی بڑے افضل ہیں اول نمبر یہ پانی کیونکہ حضور علیہ السلام کی انگلیوں سے ظاہر ہوا، دوم نمبر زمزم جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا، سوم نمبر وہ پانی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا تھا۔ رب فرماتا ہے =

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (اپنے پاؤں سے لات مار، یہ نہانے اور پینے کی ٹھنڈی جگہ ہے) (پ ۲۳ ص)

بعض کے نزدیک پھر وہ پانی جو جناب مریم کے لئے جاری کیا گیا۔

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے) (پ ۱۶ مریم)

خیال رہے جس پانی کو اللہ والوں سے نسبت ہو جائے اس کی عزت و عظمت ہے اور جس کو بتوں سے نسبت ہو وہ منحوس، اگرچہ دونوں پانی اللہ کی مخلوق ہیں۔ آبِ زمزم کی تعظیم ایمان کا رکن ہے اور گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے، کیونکہ علامتِ کفر ہے۔ (مرآت)

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ علامہ عینی اور کرنانی نے کہا کہ یہ پانی تو جناب

رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں ہی سے نکل رہا تھا یا بذات خود پانی زیادہ ہو رہا تھا، اور انگلیوں سے جوش مار کر بہہ رہا تھا۔ یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔ گو موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر اس سے پانی جاری کیا تھا، لیکن پتھروں سے طبعاً پانی نکلتا رہتا ہے، ان سے چشمے پھوٹتے ہی رہتے ہیں۔ مگر ہاتھ کی انگلیوں سے پانی کا بہہ نکلنا عجیب تر ہے۔ اس لئے ہمارے نبی ﷺ کے اس معجزے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ پر فوقیت ہے۔

علامہ عینی نے کہا کہ قرطبی نے ذکر کیا کہ سرور کائنات ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا کئی مواقع میں ظہور پذیر ہوا ہے، اور بہت سے مقامات میں ایسا پایا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے سوا کسی نبی سے ایسا معجزہ نہیں دیکھا گیا کہ کسی نبی کہ ہڈیوں، پٹھوں اور گوشت پوست سے پانی جوش مار کر نکلا ہو۔ (تفہیم البخاری)

شارح مسلم فرماتے ہیں کہ سب سے افضل پانی وہ ہے جو آپ ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا، پھر زمزم کا پانی افضل ہے حتیٰ کہ جنت کی نہروں اور کوثر و تسنیم سے بھی افضل ہے۔ (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۲۸

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِسْتَنَدَ اِلٰى جِذْعِ نَخْلَةٍ مِنْ سَوَارِى الْمَسْجِدِ فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ فَاسْتَوٰى عَلَيْهِ صَاحَتِ ا

لِنَّخْلَةِ الَّتِیْ کَانَ یَخْطُبُ عِنْدَھَا حَتّٰی کَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی اَخَذَھَا فَضَمَّھَا اِلَیْہِ فَجَعَلَتْ تَاِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ یُسَکَّتُ حَتّٰی اسْتَقَرَّتْ قَالَ بَکَتْ عَلٰی مَا کَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّکْرِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

(مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ترجمہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ پڑھتے تو کھجور کے ایک ڈنڈے سے ٹیک لگا لیتے تھے۔ جو مسجد کے ستونوں میں سے ایک تھا، پھر جب حضور ﷺ کے لئے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس پر جلوہ گر ہوئے، تو جس ستون کے پاس آپ ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے وہ چیخ پڑا حتّٰی کہ قریب تھا کہ چر جاوے۔ نبی کریم ﷺ منبر سے اترے حتّٰی کہ اسے پکڑا اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ سسکیاں بھرنے لگا اس بچے کی سسکیوں کی طرح جسے چپ کرایا جائے حتّٰی کہ قرار پکڑ گیا۔ راوی نے کہا کہ وہ اس ذکر الٰہی پر رویا جو وہ سنا کرتا تھا۔ (بخاری)

☆تشریح

اس ستون کا نام اسطوانِ حنانہ ہے، حنانہ بنا ہے حنین سے بمعنی

باریک آواز سے رونا۔ یہ ستون محرابُ النبی علیہ السلام کے بائیں طرف بالکل متصل ہے۔
اب وہاں نیا ستون بنایا گیا ہے۔ اسے اب بھی حنانہ کہتے ہیں ، یہ اس وقت کا واقعہ ہے
جب منبر نہیں بنا تھا۔ حضور انور علیہ السلام زمین پر ہی کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے تھے
حنانہ کے رونے کی آواز تمام صحابہؓ نے سنی ، یہ ستون کیوں رویا ؟ اس کے متعلق
بعض ظاہر بین لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی سنا کرتا تھا اب اس محرومی پر رویا ہے
مگر یہ سوچ محض غلط ہے ، آج ہم لوگ بھی ذکرِ الٰہی کرتے ہیں ، ستون کیوں
نہیں روتے۔ نیز خطبہ کی آواز تو منبر سے بھی اس تک پہنچ رہی تھی۔ کیونکہ وہ
منبر سے بالکل قریب تھا۔ نیز پھر وہ حضور علیہ السلام کے سینہ سے لگا لینے پر خاموش
کیوں ہوا ۔ وجہ صرف یہ تھی جو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

مسندت من بودم از من تاختی
بر سرِ منبر تو مسند ساختی
در فراق تو مرا چوں سوخت جان
چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں

ترجمہ = آپ کی مسند (بیٹھنے کی جگہ) تو میں تھا اب مجھ سے دور ہو گئے ہو، اور منبر پر
اپنی مسند بنالی ہے۔ میری جان تو آپ کے فراق (جدائی) میں جل رہی ہے، تو اے!
جہاں کی جان میں کس طرح تیرے بغیر نالہ نہ کردوں (روؤں)۔ یہ گریہ زاری اس
لئے تھی کہ وہ جمعہ کے دن پشتِ پاک مصطفےٰ علیہ السلام کے بوسے لیتا تھا آج اس وصال کی
نعمت سے محروم ہو گیا اور اس فراق پر رو دیا۔

فلسفی کو منکرِ حنانہ است از حواسِ انبیاء بے گانہ است

ترجمہ = فلسفی جو حنانہ کے واقعہ سے انکار کرتا ہے۔ وہ (اس لئے) کہ حواسِ انبیاء

کے ادراک سے ناواقف ہے۔

جب حضور علیہ السلام نے اس ستون کو سینہ پاک سے لگایا تو وہ اس طرح سسکیاں بھرنے لگا جیسے روتے بچے کو ماں سینے سے لگائے تو وہ خاموش ہونے سے پہلے سسکیاں بھرتا ہے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تمام حسینانِ جہاں صرف انسانوں کے محبوب رہے مگر حضور علیہ السلام ایسے انوکھے حسین ہیں کہ ساری مخلوقات کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہو کہ خالق کے محبوب جو ٹھہرے، دیکھو لکڑیاں فراق میں گریہ وزاری کررہی ہیں۔ دوسرا یہ کہ سارے حسینوں کا یہ حال ہے کہ انہیں دیکھا ہزاروں نے مگر عاشق ایک ہوا۔ حسنِ یوسفؑ کی عاشق صرف زلیخا، لیلیٰ پر فریفتہ صرف مجنوں مگر حضور علیہ السلام ایسے حسین ہیں کہ آج انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں مگر جان قربان کرنے والے لاکھوں عاشق موجود ہیں۔ حسنِ یوسفؑ صرف مصر کے بازار میں چمکا مگر حسنِ محمدی علیہ السلام ہر جگہ تا ابد چمک رہا ہے۔

حسنِ یوسفؑ پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

ستونِ حنانہ ذکرِ الٰہی پر روتا تھا یہ حاشیہ آرائی صرف قتادہ کی ہے مگر قتادہ کے ذکر پر کبھی کوئی ستون نہیں رویا۔ یہ محض غلط ہے۔ وہ فراقِ رسول علیہ السلام میں روتا تھا۔ خواجہ حسن بصریؒ جب یہ حدیث پڑھتے تو بہت روتے تھے، فرماتے تھے کہ حضور علیہ السلام کے عشق میں خشک لکڑی روئی تم اس لکڑی سے کم نہ ہو۔ (مرآت)

صاحبِ اشعۃ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا کہ معجزۂ شق القمر اور ستون کے رونے کی احادیث معناً متواتر ہیں لفظاً مشہور مستفیض ہیں۔ (اشعۃ)

صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ ستونِ حنانہ قربِ رسول اللہ علیہ السلام فوت

ہونے پہ رویا تھا۔ (مرقات)

دارمی نے بریدہ سے روایت ذکر کی ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے ستونِ حنانہ سے فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو۔ میں تجھے اسی جگہ رکھ دیتا ہوں جہاں سے تو لایا گیا ہے۔ یا پھر تجھے جنت کا درخت بنا دیتا ہوں تو وہاں کی نہروں کا پانی پئے گا۔ تیری شکل و صورت اچھی ہو گی اور پھلدار ہو گا۔ اولیاء اللہ تیرا پھل کھائیں گے اس نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ مجھے جنت کا درخت بنا دیں۔ (عینی، تفہیم البخاری)

علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ کھجور کا تنا بھی آپ ﷺ کو پہچانتا تھا، آپ سے محبت کرتا تھا، آپ کے فراق میں دھاڑیں مار مار کر روتا تھا اور یہ تمام امور بغیر حیات کے متصوّر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کے قرب اور لمس سے اس تنے میں اللہ نے حیات پیدا فرما دی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے جن میں پہلے عادتاً اور عرفاً حیات ہوتی تھی، مگر زیادہ حیرت اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لمس اور قرب سے کھجور کے تنے میں جان آگئی جس میں عادتاً اور عرفاً حیات نہیں ہوتی جنکے اعجاز آفرین لمس سے بے جان میں حیات آجائے تو پھر خود ان کی حیات کی عظمتوں کا کیا کہنا۔

کھجور کا خشک تنا تو آپ ﷺ کے فراق میں روئے مگر کلمہ پڑھنے والا انسان آپ کی محبت اور فراق میں نہ روئے، تو بے جان کھجور سے بھی گیا گذرا ہے۔ (شرح مسلم)

مولانا فرماتے ہیں

کم ز خاکی ، چونکہ خاکے یار یافت
در بہارے صد ہزار انوار یافت

ترجمہ = کیا تو مٹی سے بھی گیا گذرا ہے، کیونکہ مٹی جب بہار میں یار سے ملتی ہے یعنی بارش، تو اس میں سو ہزار سبزہ اگ آتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۲۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَبَيْنَا النَّبِیُّ ﷺ يَخْطُبُ فِی يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا تَرٰى فِی السَّمَآءِ قَزْعَةً فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَهَا حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالُ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلُ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ حَتّٰى الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَقَامَ ذٰلِكَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ غَيْرُهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرَقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَمَا يُشِيْرُ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ اِلَّا

اُنْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِیُ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِیئُ اَحَدٌ مِّنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا حَدَّثَ بِالْجُوْدِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ترجمہ

حضرت انس ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو سخت قحط سالی نے گھیر لیا، تو جب نبی کریم ﷺ جمعۃ المبارک کا خطبہ پڑھ رہے تھے تو ایک دیہاتی اٹھا اور بولا یارسول اللہ ﷺ مال برباد ہو گیا اور بچے بھوکے ہو گئے، آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیں۔ تو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہم آسمان میں بادل نہیں دیکھتے تھے۔ تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ حضور ؐ نے ابھی ہاتھ نیچے نہ کئے تھے حتیٰ کہ بادل پہاڑوں کی طرح اٹھا پھر حضور ﷺ اپنے منبر سے نہ اترے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک سے بارش ٹپکتے دیکھی، پھر ہم پر آج، کل اور پرسوں دوسرے جمعہ تک ہوتی رہی۔ اور یہی بدو یا کوئی اور دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ عمارتیں گر گئیں مال ڈوب گئے آپ اللہ سے دعا کریں، تو حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر عرض کیا اے اللہ ہمارے آس پاس برسا ہم پر نہ برسا۔ پھر آپ بادل کے کسی گوشہ کی طرف اشارہ نہ فرماتے مگر وہ چر جاتا اور مدینہ شریف تالاب کی طرح ہو گیا اور وادی قنات ایک مہینہ تک بہتی رہی کسی طرف سے کوئی بھی آتا تو بارش کی خبر دیتا۔ (مسلم و بخاری)

☆ تشریح

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اپنے فقر و فاقہ کی شکایت حضور ﷺ سے کرنا، انہیں اپنے دکھ سنانا سنتِ صحابہؓ ہے۔ ہم بھی عرض کر سکتے ہیں کہ یارسول اللہ گناہوں نے ہماری پیٹھ (کمر) توڑ دی ہے، آپ ﷺ پناہ دیجئے

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں۔

یارسول اللہ بسوئے تو پناہ آوردہ ام
ہمچو کاہے عاجزم کوہے گناہ آوردہ ام

ترجمہ = یارسول اللہ ﷺ میں آپ کی طرف پناہ لینے آیا ہوں، ایک تنکے کی طرح عاجز ہوں لیکن گناہ کا ایک پہاڑ لے کر آیا ہوں۔

ان دکھڑے سنانے کی اصل یہ حدیث ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بارش کی دعا خود نہ کی بلکہ حضور ﷺ سے دعا کے لئے عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ ہماری دعاؤں اور حضور ﷺ کی دعا میں فرق ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ استسقاء کے لئے نماز پڑھنا شرط نہیں، صرف دعا بھی استسقاء ہے۔ یہ امام صاحب کی دلیل ہے امام ابو حنیفہؒ نماز کا انکار نہیں کرتے بلکہ اسے شرط نہیں مانتے، دیکھو حضور ﷺ نے صرف دعا کی تو بارش آگئی۔ معلوم ہوا کہ عین خطبہ جمعہ میں دعا مانگ سکتے ہیں، یاد رہے کہ امام صاحب کے نزدیک بارش کے لئے دعا استغفار کا پڑھنا ہے۔ قزعہ بادل کے چھوٹے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے۔ اس وقت آسمان بالکل شیشے کی طرح صاف تھا۔ جونہی سرکار نے ہاتھ اٹھائے بادل آیا اور بارش شروع ہو گئی۔ اللہ اکبر دعا تھی یا تیر تھا جو

قبولیت کے نشانے پر لگا- دورانِ خطبہ بارش شروع ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے بھی لگی، اور حضور علیہ السلام کے رخسار پر قربان ہوکے گرنے بھی لگی- صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارَکَ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ - یارسول اللہ ہمارے خشک دلوں پر بھی کرم کی بارش برسا دو-

اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَّسَخَاکَ اَتَمُّ اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ جن کی دعا بارش لائی ہے انہی کی دعا بارش ہٹائے گی- اس لئے بارش تھمنے کی دعا خود نہ کی بلکہ حضور علیہ السلام سے کرائی معلوم ہوا کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور علیہ السلام سے بے نیاز نہیں ہو سکتا-

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں-

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہؐ کی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش اگر مضر ہو تو اس کے بند کرنے کی دعا کرنا بھی جائز ہے- بارش حد میں ہو تو رحمت ہے اگر حد سے بڑھ جائے تو زحمت ہے- جو لوگ کہتے ہیں کہ بارش رحمت ہے رکنے کی دعا نہیں کرنا چاہئے، یہ غلط ہے-

حضور علیہ السلام نے دعا کے بعد اپنے خداداد اختیارات کا اظہار بھی فرمایا ایک بار اسی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے کر دیا تھا- اسی اشارہ سے ڈوبا ہوا سورج خیبر میں واپس لوٹا دیا- اسی انگلی کے اشارے سے جما ہوا بادل پھاڑ دیا اور واپس لوٹا دیا-

حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہوا دی گئی تھی- وَسَخَّرْنَا لَہٗ ا

لِلرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ - ترجمہ۔اور ہم نے اس کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے چلتی تھی - (پ ۲۳ ص) حضور علیہ کے قبضہ میں ساری خدائی دے دی علیہ - (مرآت)

ملّا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ بارش سے مدینہ پاک کی زمین میں پانی ایسا بھرا تھا جیسے تالاب میں بھرا ہوتا ہے-اس پانی پر اب دھوپ پڑ رہی تھی (مرقات)

شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ جوبہ کے معنی ہیں بڑی گیند یعنی مدینہ پاک کے اوپر آسمان گیند کی طرح ہو گیا کہ یہاں بادل کوئی نہیں آس پاس بادل تھا اور ضرورت کی جگہ برس رہا تھا- (اشعۃ)

وادیٔ قنات ایک ماہ تک بہتی رہی قنات ایک جنگل کا نام ہے-اس میں پہاڑی پانی آتا تھا گویا یہ ایک نالہ تھا جو عام طور پر خشک رہتا تھا،بارش ہونے پر بہتا تھا- فرماتے ہیں کہ اتنی بارش ہو چکی تھی کہ ایک ماہ تک پہاڑ سے پانی اس نالے میں بہتا رہا -

معلوم ہوتا ہے اولاً بارش صرف مدینہ پاک پر ہوئی پھر دوسری دعا سے ارد گرد مقامات پر ہوئی اور دوسری دعا کے بعد لوگ جس طرف سے بھی آئے بارش کی خبر لائے- حضور علیہ کا فیضان عام ہوا جس سے دُور و نزدیک سب نے فائدہ اٹھایا-

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو تم ایسے رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہو

خیال رہے گذشتہ جمعہ کو یہ حضرات دھوپ میں مسجد میں آئے تھے بارش لے کر گھروں کو گئے تھے- آج اس کے برعکس بارش میں مسجد میں تشریف لائے اور دھوپ لے کر گھر گئے- (مرآت)

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبوت کی واضح دلیل ہے- جبکہ

سرورِ کائنات علیہ السلام کے ذرہ بھر اشارہ سے موسلا دھار بارش ہوئی اور یکسر قحط سالی کا سماں خوشحالی میں بدل گیا۔ (تفہیم البخاری)

☆ حدیث نمبر ۳۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا کَانَ یَکْتُبُ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَارْتَدَّ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ فَاَخْبَرَنِیْ اَبُوْ طَلْحَةَ اِنَّهٗ اَتَی الْاَرْضَ الَّتِیْ مَاتَ فِیْهَا فَوَجَدَهٗ مَنْبُوْذًا فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا فَقَالُوْ دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

(مشکوٰۃ باب المعجزات)

☆ ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں کاتب تھا، وہ اسلام سے پھر گیا۔ اور مشرکین سے جا ملا۔ تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا اسے زمین قبول نہیں کرے گی۔ مجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ میں اس زمین میں گیا جہاں وہ مرا تھا۔ اسے باہر پھینکا ہوا پایا، تو پوچھا اس میت کا کیا حال ہے، لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بارہا دفن کیا مگر اسے زمین قبول نہیں کرتی۔

(بخاری و مسلم)

☆ تشریح

یہ شخص جو کاتبِ وحی تھا، پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوا اور بارگاہ عالی میں اتنا قرب حاصل کر گیا کہ حضور علیہ السلام کے ہاں کاتبِ وحی ہو گیا۔ مگر پھر مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ (معاذ اللہ) جس طرح ابلیس نے بہت قربِ الٰہی حاصل کیا پھر اکڑنے پر مارا گیا۔ (مرآت)

بعض نے کہا ہے کہ وہ شخص عبداللہ ابن سرح تھا، مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ حسب روایت وہ تو مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ (مرقات)

وہ مرتد ہو کر مشرکین سے کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام کو قرآن میں سکھاتا تھا۔ جو میں بتاتا تھا وہی وحی سمجھ کر لکھ لیا جاتا تھا۔ (معاذ اللہ)

رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا یہ عنقریب ہی کافر مرے گا اور اس کی لاش قبر میں نہ رہ سکے گی۔ بلکہ اسے نکال پھینکے گی۔ حدیثِ پاک میں تین غیبی خبریں ہیں جو ہو بہو پوری ہوئیں۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ زمین بھی حضور علیہ السلام کے دوست و دشمن کو پہچانتی ہے اور حضور علیہ السلام کے حکم کے تابع ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا بالکل ویسا ہی ہوا۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے شیر پھاڑے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک شیر نے سب کے منہ سونگھے اس کا منہ سونگھ کر اسے پھاڑ ڈالا۔ (مرآت)

مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میری ماں مشرک تھیں میں دعوتِ اسلام دیتا تو وہ رسُول اللہ ﷺ کے متعلق نازیبا باتیں کہتی جو مجھے ناپسند تھیں۔ ایک دن میں روتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسُول اللہ ﷺ ابو ہریرہؓ کی ماں کے لئے ہدایت کی دعا فرمادیں آپ ﷺ نے دعا فرمائی میں دوڑتا ہوا خوشی سے نکلا جب دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا۔ ماں نے قدموں کی آہٹ سنی تو کہا ٹھہر جاؤ میں نے پانی انڈیلنے کی آواز سنی پھر بغیر دوپٹہ کے جلدی جلدی ماں نے دروازہ کھولا اور بولیں اے ابو ہریرہؓ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں خوشی سے روتا ہوا دوڑ کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا تو سرکارؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دعائے خیر کی۔ (مسلم)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ اپنے والدین کو بھی تبلیغ کی جائے جب وہ کافر، مشرک، بت پرست ہوں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابو ہریرہؓ کو پختہ یقین تھا کہ سرکارؐ نے دعا فرمائی ہے، میری ماں کو ضرور ہدایت ملے گی، اور ابھی ملے گی۔ اسی لئے تو آپ دوڑتے ہوئے خوش ہو کر قدرتِ خدا کا نظارہ کرنے گھر گئے کہ پہلے میں گھر پہنچتا ہوں یا میری ماں مسلمان ہوتی ہے۔ (مرآت)

ان کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

☆ حدیث نمبر ۳۱

وَعَنْ أَبِي الْجَوْزَآءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَ سَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ - (مشکوٰۃ باب الکرامات)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اہلِ مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف غور کرو اس سے ایک طاق آسمان کی طرف بنا دو حتیٰ کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بادل خوب برسائے گئے حتیٰ کہ چارہ اُگ گیا اور اونٹ موٹے ہو گئے۔ یہاں تک کہ چربی سے گویا پھٹ پڑیں گے۔ اس سال کا نام عام الفتق (پھٹن کا سال) رکھا گیا۔ (دارمی)

☆ تشریح

حدیثِ پاک کے راوی ابو الجوزاءؓ کا نام اوس ابن عبداللہ ہے۔ آپ بصری تابعی ہیں، آپ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ علیھم اجمعین سے ملاقات کی ہے

آپ کو ۸۳ ہجری میں شہید کیا گیا۔

اہلِ مدینہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی کہ بارش نہیں ہوئی جس سے چیزیں مہنگی ہو گئی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ آپ رب سے دعا کریں تاکہ بارش ہو جائے معلوم ہوا کہ آسمانی آفات کی شکایت اللہ کے مقبول بندوں سے کر سکتے ہیں۔

جناب ام المومنینؓ نے فرمایا میرے حجرے کی چھت قدرے پھاڑ دو تاکہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ نہ رہے، یہ طریقہ تھا قبرِ انور کے وسیلہ سے بارش مانگنے کا یہ طریقہ حضرت عائشہؓ نے اپنے اجتہاد سے اختیار فرمایا۔

(مرآت)

مرقات اور اشعۃ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی ظاہری حیات شریف میں حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ بعد وفات جناب عائشہ صدیقہؓ نے حضور ﷺ کی قبرِ انور بلکہ اس کی خاک کی برکت سے دعا کرائی، یہ بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا ہے۔ یہ طریقہ بہت مبارک ہے۔ حدیثِ پاک سے چند مسائل اخذ ہوئے۔

۱۔ وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ سے دعائیں کرنا جائز ہے۔

۲۔ ان کے تبرکات کے وسیلہ سے دعائیں کرنا جائز بلکہ سنتِ صحابہؓ ہے۔

۳۔ بزرگوں کی قبریں بِاِذنِ الٰہی دَافِعُ الْبَلَاء اور مشکل کشا ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص دافع البلاء تھی کہ اس کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ (القرآن)

حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفاء تھا۔

ارکض برجلک ترجمہ- اپنے پاؤں سے لات مار-

بعض صوفیائے کرام ننگے سر آسمان کے نیچے بیٹھ کر دعائیں یا وظیفے کرتے ہیں- یہ حدیث ان کی اصل ہے- خیال رہے آسمان ہماری روزی کا خزانہ ہے-

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ترجمہ- اور آسمان میں تمہارا رزق ہے، جو تمہیں حسبِ وعدہ دیا جائے گا- لہٰذا آسمان کیطرف ہاتھ اٹھا کر یا قبرِ انور کی چھت کھول کر دعا کرنا جائز ہے- (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۳۲

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسَّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِيْ اَوْرَاٰى مَنْ رَاٰنِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ - (مشکوٰۃ باب مناقب الصحبۃ)

☆ ترجمہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا- (ترمذی)

☆ تشریح

فرمانِ رسول ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جس نے حالتِ ایمان مجھے دیکھا اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا جو لوگ حضور ﷺ کے بعد مرتد ہو کر مرے وہ اس بشارت سے الگ ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کو اخلاص سے صحابہ کرامؓ کی صحبت نصیب ہوئی ان کی خدمات میسر ہوئیں وہ بھی دوزخ سے محفوظ ہیں۔

صحابی اور تابعی کا فرق یہ ہے کہ صحابیت کے لئے ایک نظر جمالِ مصطفوی ﷺ دیکھ لینا کافی ہے مگر تابعیت کے لئے صحابی کی صحبت و خدمت ضروری ہے۔
اس فرمانِ عالی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیک اعمال کرنے ، برے اعمال سے بچنے یا ان سے توبہ کرنے کی توفیق دے گا۔ جس سے وہ دوزخ سے بچ جائیں گے ۔ عوام میں مشہور ہے جو پاک پتن شریف میں حضور بابا گنج شکر فرید الدینؒ کے مقبرہ کے بہشتی دروازے میں داخل ہو جائے وہ جنتی ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اسے جنتی اعمال کی توفیق دے گا۔ اور اس دروازہ میں داخلہ کی برکت سے گذشتہ گناہِ صغیرہ معاف فرمادے گا اور گناہِ کبیرہ سے بچنے کی توفیق دے گا۔ رب فرماتا ہے۔ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ترجمہ۔ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔

یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کے لئے گناہ حلال ہو گئے مولانا فرماتے ہیں۔

گفت طوبیٰ من رانی مصطفیٰ

والذی یبصر لمن وجھی یریٰ

ترجمہ = حضور ﷺ نے فرمایا خوشخبری ہو جس نے مجھے دیکھا اور اس کو بھی

خوشخبری ہو جو اس کو دیکھے جس نے میرا چہرہ دیکھا۔

جنہاں اکھیاں دلبر ڈٹھا لوہ اکھیں تک لیاں

توں ملیوں تے ساجن ملیا ہن آساں لگ گیاں

حضور ﷺ کو دیکھنے والی آنکھ کی زیارت بھی بہشتی ہونے کا ذریعہ ہے۔

احمد اور ابن حبان نے اور عبدالحمید نے بروایۃ حضرت ابن عمرؓ حدیث نقل فرمائی کہ طوبیٰ لمن رأنی وامن بی و طوبیٰ لمن لم یرانی وامن سبع مرّات

کہ جو مجھے دیکھ کر مجھ پر ایمان لائے اسے ایک بار مبارک اور جو مجھے بغیر دیکھے ایمان لائے اسے سات بار مبارک۔ (مرقات)

خیال رہے کہ سارے صحابہؓ جنتی ہیں مگر عشرہ مبشرہ وہ ہیں جنہیں ایک حدیث نے جمع فرمایا ورنہ سارے صحابہ جنتی ہیں۔ عشرہ مبشرہ ذیل صحابہؓ ہیں۔

دہ یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر و علی و عثمان

سعد است و سعید و بو عبیدہ طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن

رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین

☆ حدیث نمبر ۳۳

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَ نَا یَدٌ اِلاَّ وَقَدْ کَا فَیْنَاہُ مَا خَلاَ اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِئُہُ اللّٰہُ بِھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

وَمَا نَفَعَنِی مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِی مَالُ اَبِی بَکْرٍ وَ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

(مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ کر دیا سوائے ابو بکرؓ کے ہم پر ان کا احسان ہے کہ اللہ انہیں اس کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا کہ ابو بکرؓ کے مال نے دیا۔ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو دوست بناتا خیال رکھو تمہارے صاحب اللہ کے دوست ہیں۔ (ترمذی)

☆تشریح

حدیث پاک میں احسان سے مراد شخصی خدمات و احسانات ہیں یعنی سوائے صدیق اکبرؓ کے جس شخص نے بھی ہم سے کچھ سلوک کیا تھا ہم نے اس سے بڑھ کر بدلہ دے دیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس فرمانِ پاک کے خلاف نہیں کہ احسانات کا بدلہ نہ ہو سکا قیامت میں رب تعالیٰ سے دلوایا جائے گا۔ وہ قومی اور جماعتی احسان و خدمات ہیں صدیق اکبرؓ کے احسان سے یا تو وہ بدنی ، مالی ، وطنی ، اولادی قربانیاں مراد ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برابر کرتے رہے یا حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کرنا مراد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ صدیق نے مجھ پر احسان کیا کہ بلال کو

آزاد کیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى (اور ہم عنقریب بچالیں گے اس کو جو بہت بڑا پرہیزگار ہے، مال دیتا ہے تاکہ تزکیہ ہو جائے)

اس آیت کریمہ میں اس آزادی بلالؓ کا ذکر ہے۔ (مرقات)

حضرت بلالؓ کی خریداری پر حضور علیہ السلام نے صدیق اکبرؓ کے لئے فرمایا تھا۔

مصطفٰے گفتش کہ اے اقبال جو   در خریدن می شوم انباز تو

اے ابو بکرؓ بلالؓ کی خریداری میں ہم کو بھی اپنے ساتھ ملالو۔ آدھی قیمت ہم سے لے لو ہم تم دونوں ان کے خریدار ہونگے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ تڑپ گئے، قدموں پر فدا ہو کر بولے۔

گفت ما دو بندگاں کوے تو   کردمش آزاد ہم بر روے تو

حضور علیہ السلام میں بھی آپ علیہ السلام کا غلام، بلالؓ بھی آپ کے غلام حضورؐ میں نے انہیں آپ علیہ السلام کے لئے ہی خریدا ہے، میں نے انہیں آزاد کر دیا بلالؓ نے جب چہرہ مصطفٰے کو دیکھا تو

چوں بدید آں خستہ روے مصطفٰے   خرّ مغشیا علیہ برقفا

چہرہ مبارک دیکھتے ہی غش کھا کر گر گئے۔ بے ہوش ہو گئے حضور نے اپنی چادر سے چہرے کا گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا اُوْذِيتَ فِي اللّٰهِ كَثِيرًا اے بلالؓ تجھے اللہ کی راہ میں بڑی اذیتیں پہنچیں

فرمانِ پاک کہ صدیقؓ کے مال نے جتنا نفع دیا اتنا نفع کسی اور کے مال سے نہ ہوا، چنانچہ جب ابو بکرؓ ایمان لائے تو آپؓ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ آپ بڑے امیر کبیر تھے اتنی بڑی دولت حضور انور علیہ السلام پر خرچ کر دی بہت سے غریب مسلمان

جو کفار کے غلام تھے بڑی مصیبت میں تھے انہیں خرید کر آزاد کیا ان سب میں حضرت بلال ؓ ابن ابی رباح اور مالک ؓ ابن فہیرہ بہت مشہور ہیں۔

جب ہجرت میں حضور ﷺ کے ساتھ گئے تو چند درہم آپ کے ساتھ تھے وہ بھی حضور ﷺ پر خرچ کرنے کے لئے ساتھ لیئے تھے۔

حدیث پاک میں لفظ خلیل آیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک خلیل وہ ہے جس کا محبت میں دل رہے اور رفیق وہ ہے جس کی محبت دل میں رہے۔

کشتی دریا میں اور دریا کشتی میں بڑا فرق ہے

اَلَا وَ اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ (خیال رکھو کہ تمہارے صاحب اللہ کے دوست ہیں) یہاں صَاحِبَکُمْ سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات مبارک ہے۔

یہ وہی صدیق اکبر ؓ ہیں جن کے بارے آپ کی لختِ جگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

جب میرے والد بیمار ہوئے تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے حضور ﷺ کی قبرِ انور کے پاس لے جانا اور اجازت طلب کرنا اور کہنا، یہ ابو بکر ؓ ہیں، یارسول اللہ ﷺ آپ کے پاس دفن کر دیں؟ اگر وہ اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اگر اجازت نہ دیں تو مجھے جنت البقیع میں لے جانا ۔ الی آخر۔

(طویل روایت حدیث ہے) المختصر اس وصیت پر من و عن عمل کیا گیا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں، ہم نے آواز سنی کہ اس کو اندر داخل کر دو۔ اور ایک اور روایت میں الفاظ یوں ہیں۔

رَاَیْتُ الْبَابَ قَدْ فُتِحَ فَسَمِعْتُ قَائِلاً یَقُوْلُ اُدْخُلُوْا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ فَاِنَّ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ مُشْتَاقٌ

(الخصائص اکبری ۲۸۱، ۲۸۲)

ترجمہ = میں نے دروازہ دیکھا کہ وہ کھل گیا اور میں نے ایک کہنے والے کو کہتے سنا کہ دوست کو دوست کے ساتھ ملا دو، بے شک دوست، دوست کے ساتھ ملنے کا مشتاق ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی، امام رازی کے حوالے سے رقمطراز ہیں "حضرت ابوبکرؓ کی کرامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپؓ کا جنازہ حضور اکرم ﷺ کے مزار مبارک کے سامنے دروازے پر لایا گیا اور آواز دی گئی " اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہ " ﷺ یہ ابوبکر دروازے پر حاضر ہے تو دروازہ خود بخود کھل گیا۔ قبر شریف کے اندر سے کوئی آواز دیتا ہے کہ ایک دوست کو دوسرے دوست کے ہاں داخل کردو۔ (جمال الاولیاء ۲۹)

☆ حدیث نمبر ۳۴

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا رَأْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ حَجْرِىْ فِىْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ إِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ فَأَيْنَ حَسَنَاتُ أَبِىْ بَكْرٍ قَالَ إِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ لِحَسَنَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْ حَسَنَاتِ أَبِىْ بَكْرٍ

رَوَاہُ رَزِیْنٌ (مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر و عمر)

☆ترجمہ

روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک ایک چاندنی رات میں میری گود میں تھا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گی۔ فرمایا ہاں وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ میں بولی تو جناب ابو بکرؓ کی نیکیاں کہاں گئیں۔ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی ساری نیکیاں ابو بکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہیں۔ (رزین)

☆تشریح

ضَاحِیَۃٍ بنا ہے ضحو سے بمعنیٰ چمکدار روشن اس سے مراد وہ رات ہے جس میں چاندنی ہو اور بادل نہ ہو، آسمان صاف ہو، چاند خوب چمک رہا ہو حضرت عائشہؓ کی گود اس وقت عرشِ معلیٰ سے افضل ہو گئی ہو گی کہ وہ صاحبِ قرآن ﷺ کی رحل بنی۔

اس سوال سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کو ہر آسمان کے ہر گوشہ کی خبر ہے اور زمین کے ہر کونہ اور تا قیامت اپنے ہر امتی کے ہر عمل کی خبر ہے۔ کیونکہ تارے مختلف آسمانوں پر ہیں اور امت کی عبادتیں زمین کے مختلف گوشوں میں دن کے اجیالے میں رات کے اندھیرے میں ہوں گی۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہی بتا سکتا ہے جسے دونوں کی خبر ہو۔ یہ ہے

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عقیدہ۔

دیکھو حضور ﷺ کا علم، کہ یہ نہ فرمایا کہ جبرائیلؑ امین کو آنے دو، پوچھ کر بتائیں گے۔ نہ یہ کہ قلم دوات کاغذ لاؤ ٹوٹل لگا کر کہیں گے، نہ یہ کہ ذرا سوچ کر حساب لگا لینے دو بلکہ تامل فرمایا کہ میری ساری امت میں حضرت عمرؓ وہ ہیں جن کی نیکیاں تعداد میں آسمانوں کے تاروں کے برابر ہیں یہ ہے حضور ﷺ کا علم غیب کُلی۔

حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ ''احد'' میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی داخل ہیں اور ان کی نیکیاں حضرت عمرؓ سے کم ہیں۔

صدیق اکبرؓ کی ایک نیکی میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کونسی نیکی مراد ہے حضرت مفتی احمد یار خان نعیمیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس سے مراد ہجرت کی رات، غارِ ثور میں حضور انور ﷺ کی خدمت مراد ہے۔ اس رات حضرت صدیق اکبرؓ نے تہجد نہیں پڑھی تھی اور کوئی عبادت نہ کی تھی۔ بلکہ صرف حضور ﷺ کی بے مثال خدمت کی تھی، اور آپ ﷺ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھ کر خوب جی بھر کر اس صورتِ پاک کے نظارے کئے تھے۔ یہ ایک نیکی دنیا بھر کی ساری نیکیوں سے بڑھ کر قرار پائی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

☆ حدیث نمبر ۳۵

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ زَوَّجَنِي ابْنَتَهٗ وَحَمَلَنِيْ إِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ وَصَحِبَنِيْ فِي الْغَارِ وَأَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهٖ رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهٗ مِنْ صَدِيْقٍ رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ يَسْتَحْيِيْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

(مشکوٰۃ باب مناقب العشرۃ)

☆ ترجمہ

حضرت علیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ابوبکرؓ پر رحمت کرے انہوں نے اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کردیا اور مجھے ہجرت گاہ تک پہنچایا اور غار میں میرے ساتھ رہے اور بلالؓ کو اپنے مال سے آزاد کیا۔ اللہ عمرؓ پر رحمت کرے کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کڑوی ہو انہیں حق نے ایسا کردیا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں اللہ عثمانؓ پر رحمت کرے کہ ان سے فرشتے حیا کرتے ہیں اللہ علیؓ پر رحمت کرے الٰہی علیؓ کے ساتھ حق کو گردش دے جدھر وہ گردش کریں۔

ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

☆ تشریح

اس فرمانِ پاک سے معلوم ہوا کہ زندہ کو رحمۃ اللہ علیہ کہہ سکتے ہیں۔

(مرقات)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی دخترِ نیک اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح حضور انور ﷺ سے کیا اس میں اپنی بیٹی کی قربانی ہے اسلئے حضور انور ﷺ نے اسے صدیق اکبرؓ کی قربانیوں کے سلسلے میں ذکر فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ غارِ ثور تک حضور ﷺ کو اپنے کندھے پر لے گئے اور اس سے آگے حضور ﷺ کے مصاحب رفیقِ سفر رہے مدینہ منورہ تک۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ہجرت کے لئے دو اونٹ پالے تھے، ایک اپنے لئے اور دوسرا حضور انور ﷺ کے واسطے۔جب آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ہجرت کی خبر دی تو حضرت ابو بکرؓ نے وہ اونٹ پیش فرمایا۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں منظور ہے مگر قیمت سے۔چنانچہ حضور ﷺ نے آٹھ سو درہم میں وہ اونٹ جناب صدیق اکبرؓ سے خریدا، مگر بطورِ قرض۔ (اشعہ)

یہ ثابت نہیں کہ حضور انور ﷺ سے یہ قرضہ جناب صدیق اکبرؓ نے وصول بھی کیا، اگر وصول کیا بھی ہو گا تو حضور ﷺ پر ہی خرچ کیا ہو گا۔ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ غارِ ثور کی کئی راتیں کئی دن جناب صدیق اکبرؓ نے میرے ساتھ گذارے کہ اس زمانہ میں ان کے سوا، کسی نے مجھے نہ دیکھا۔اس زمانہ میں میرا منہ تکتا

ان کی عبادت تھی- جو کسی اور کو میسر نہ تھی- اس غار میں مجھ پر جان فدا کی کہ میری حفاظت کرتے ہوئے سانپ سے اپنے پاؤں میں ڈسوالیا ، یہ قربانی صرف انہوں نے کی-

سبحان اللہ حضرت بلالؓ کی خریداری ، ان کا آزاد کرنا حضور ﷺ نے جناب صدیقِ اکبرؓ کی قربانیوں کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے-

مذکورہ حدیث میں خلفائے راشدینؓ کی فضیلت کا ذکر یوں کیا گیا ہے جیسے ہر پھول کی اپنی خوشبو ہے- اور وہ خوشبو میں یکتا ہے-ایسے ہی رضائے محبوب ﷺ کی خاطر حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا تن من دھن قربان کیا کہ رازدانِ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا اور ان کے عشق کے ذکر کے بغیر گویا داستانِ عشقِ رسول ﷺ ادھوری ہے-

☆ حدیث نمبر ۳۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (اِلٰى آخِرِ الْاٰيَةِ) جَلَسَ ثَابِتٌ فِيْ بَيْتِهٖ وَ احْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَاَلَ النَّبِيُّ ﷺ سَعْدَ بْنَ مَعَاذٍ فَقَالَ مَا شَاْنُ ثَابِتٍ اَيَشْتَكِيْ فَاَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ هٰذِهٖ

الآیۃ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْفَعِکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَنَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدُ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَلْ ھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

☆ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ثابت بن قیس بن شماس انصار کے خطیب تھے جب یہ آیت اتری، کہ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر اونچی نہ کرو۔(آخر آیت تک) تو جناب ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ رہے۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ سے غیر حاضر ہو گئے ۔رسول اللہ ﷺ نے جناب سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ سے پوچھا ،فرمایا ثابت رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا۔ تو ثابت رضی اللہ عنہ بولے کہ یہ آیت نازل ہو چکی ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں اونچی آواز والا ہوں تو میں تو دوزخیوں میں سے ہوں۔ یہ ماجرا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلکہ وہ تو جنت والوں میں سے ہے۔ (مسلم)

☆تشریح

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس انصاری خزرجی ہیں ۱۲ھ جنگ یمامہ میں شہید

ہوئے۔ خطیب سے مراد فصیح، تاریخ دان، عالم انساب ہے۔

ذرا غور فرمائیے تمام سلاطین و حکام اپنے آدابِ مجلس خود بناتے ہیں مگر حضور علیہ السلام وہ سلطانِ کونین ہیں جن کے دربار کے آداب خود ربّ تعالیٰ نے بنائے اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات پر بھی جاری فرمائے۔ یہ آیت کریمہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں حضور علیہ السلام کے آستانہ عالیہ میں عرض و معروض کرنے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے۔

خیال رہے آیت کریمہ میں گفتگو کا ذکر ہے کہ دورانِ گفتگو کسی کی آواز حضور علیہ السلام کی آواز سے اونچی نہ ہو۔ اس سے اذان وغیرہ دوسرے مواقع مستثنےٰ ہیں وہ تو بلند آواز سے ہی ہونگے۔

حضرت ثابتؓ شرم کی وجہ سے بارگاہِ عالی میں حاضر نہ ہوئے کہ میں بارہا اونچی آواز سے بول چکا ہوں، میرے اعمال ضبط ہو چکے ہیں اب کس منہ سے حاضر ہوں ۔ یہ غیرت قوتِ ایمان کی علامت ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ جناب ثابتؓ کے پڑوسی اور ان کی قوم سے تھے انہیں ثابتؓ کے حالات کی زیادہ خبر ہونی چاہیئے تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے آپ سے پوچھا یاد رہے کہ سعدؓ بن معاذ ۵ھ میں وفات پاگئے اور سورۃ حجرات ۹ھ میں نازل ہوئی تو یہ واقعہ کیونکر درست ہوا للہذا حق یہ ہے کہ اس سورۃ کی اگلی آیات لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بعد میں نازل ہوئیں۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ پہلے نازل ہو چکی تھی۔ (مرقات)

حضرت ثابتؓ نے اس آیتِ کریمہ سے سمجھا کہ اس حکم سے میں دوزخی ہوں تو ان جنتیوں کے بادشاہ عالم پناہ کی بارگاہ میں کس منہ سے جاؤں۔ نار، نور کے پاس کیسے

جائے یہ ہے انتہائی خوفِ الٰہی کیونکہ اس آیتِ کریمہ میں بے ادبی سے اونچی آواز سے بولنا مراد ہے -جو چیخ کر بولنے کا عادی ہو وہ مراد نہیں- حضور ﷺ کی بے ادبی کفر ہے،اور کفر آگ کا موجب ہے- (مرقات)

سرکارِ دوعالم ﷺ نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی اس خوف کی وجہ سے ان کے ایمان کی رجسٹری ہوگئی-انہوں نے انتہائی خوف سے اپنے آپ کو اس آیت کی زد میں محسوس کیا-

سبحان اللہ حضرت ثابت ابن قیس کی شہادت یوں ہوئی کہ غزوۂ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے مقابل خلافتِ صدیقی ۱۲ھ میں ہوا- جہاد کے وقت آپ نے کفن پہنا خوشبو ملی پھر میدانِ جنگ میں داخل ہوئے اعلیٰ درجہ کا جہاد کیا اور شہید ہوگئے-یہ ہے فرمان نبوی ﷺ کا ظہور - (مرقات)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہم میں سے ہر ایک کو جانتے ہیں کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی-

☆حدیث نمبر ۳۷

وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ اَتٰى عَلٰى سَلْمَانَ وَ صُهَيْبٍ وَّ بِلَالٍ فِىْ نَفَرٍ فَقَالُوْ مَا اَخَذَتْ سُيُوْفُ اللّٰهِ مِنْ عُنُقِ عَدُوِّ اللّٰهِ مَا خَذَ هَا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَتَقُوْلُوْنَ هٰذَا لِشَيْخِ قُرَيْشٍ وَسَيِّدِهِمْ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ

فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ لَعَلَّكَ اَغْضَبْتَهُمْ لَئِنْ كُنْتَ اَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ اَغْضَبْتَ رَبَّكَ فَاَتَاهُمْ فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اَغْضَبْتُكُمْ قَالُوْا لَا، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا اَخِيْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

☆ترجمہ

حضرت عائذ ابن عمروؓ سے روایت ہے، کہ ابو سفیان ، حضرت سلمان ، صہیب اور بلال رضی اللہ عنھم پر گزرے جو ایک جماعت میں تھے تو ان حضرات نے کہا کہ اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمن کی گردن میں اپنی جگہ پر نہ گذریں تو جناب ابو بکرؓ بولے کہ تم قریش کے بوڑھے اور انکے سردار کے متعلق یہ کہتے ہو پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا اے ابو بکرؓ شاید تم نے ان حضرات کو ناراض کر دیا ہے۔ اگر تم نے ان کو ناراض کر دیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا ۔ تب ابو بکر صدیقؓ ان حضرات کے پاس گئے اور بولے اے میرے بھائیو کیا میں نے تم کو رنجیدہ کر دیا؟ وہ بولے نہیں اے میرے بھائی اللہ تم کو بخشے۔ (مسلم)

☆تشریح

یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ جبکہ ابو سفیان مسلمان

نہیں ہوئے تھے، مگر صلح ہو جانے کی وجہ سے مدینہ منورہ آیا جایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہاں ان کی دختر حضرت اُمِ حبیبہؓ حضور علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ (مرقات واشعۃ)

حضرت سلمان، بلال اور صہیب رضی اللہ عنہم کا مطلب یہ تھا کہ اب تک اتنے جہاد ہوئے مگر ہماری تلواروں نے ابو سفیان کی گردن نہ کاٹی۔ اللہ کی تلواروں سے مراد غازی مجاہدوں کی تلواریں ہیں جو راہِ الٰہی میں چلتی تھیں۔ دشمنِ خدا سے مراد ابو سفیان ہیں کیونکہ اس وقت تک وہ کافر تھے۔ صدیقِ اکبرؓ کا مطلب یہ تھا کہ ابو سفیان قرشی ہیں اور قرشیوں کے سردار ہیں اور ہمارے مدینہ میں امان سے آئے ہوئے ہیں تم ان کے لئے سخت الفاظ بول رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ان سے جنگ چھڑ جائے۔ آپ کا یہ فرمان نہایت ہی نیک نیتی پر مبنی تھا۔

پھر صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ علیہ السلام ان حضرات نے ابو سفیان سے یہ کہا تھا اور میں نے یہ کہا مگر میری نیت نیک تھی من و عن سب کچھ عرض کر دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابو بکرؓ اگرچہ تمہاری نیت بالکل درست ہے، مگر اس میں ایک کافر کی حمایت کی اور مومنوں کی تادیب کی مہک آرہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس وجہ سے ان حضرات کے دلوں کو صدمہ پہنچا ہو۔

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کی خوشنودی مساکین و غرباء، خصوصاً مساکین صحابہؓ کی رضا خوشنودی میں ہے۔ اللہ و رسول علیہ السلام کی ناراضگی ان حضرات کی ناراضگی میں ہے۔

ے دلا خوش باش کان سلطان دین را بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

ترجمہ = اے دل خوش ہو کہ اس شاہ دین کا درویشوں اور مسکینوں سے خصوصی تعلق ہے۔

عرب میں یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ اظہار خوشی کے لئے کہتے ہیں وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے رب فرماتا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی رنجشیں بہت جلد دور کر لینی چاہئیں جس سے شکایت ہو اس سے براہ راست مل کر صفائی کر لینی چاہیے۔ آج مسلمان اس سبق کو بھول گئے، اسی وجہ سے ان کی آپس کی رنجشیں ختم نہیں ہوتیں۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۳۸

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ اِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَاَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ

(مشکوٰة باب جامع المناقب)

☆ ترجمہ

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے فرمایا اگر میں تم پر خلیفہ مقرر کر دوں پھر تم

اس کی نافرمانی کرو تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ لیکن جو تم کو حذیفہؓ خبر دیں اس کو سچ مانو اور جو تم کو عبداللہؓ پڑھائیں تم پڑھو۔ (ترمذی)

☆ تشریح

پہلے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے انتظار کیا کہ حضور ﷺ خود ہی کسی کو خلیفہ بنادیں گے مگر جب حضور ﷺ نے یہ نہ کیا تو خود زبانی عرض کیا کہ حضور ﷺ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد فرمادیں۔

فَعَصَيْتُمُوهُ عُذِّبْتُمْ (پھر تم نافرمانی کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے) اس ارشادِ عالی کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم میرے نامزد خلیفہ کی میرے بعد نافرمانی کرو تو تم پر دنیا میں عذاب آجائے گا۔ دوسرا یہ کہ تم میرے نامزد کرنے کی مخالفت کرو تو بھی تم پر عذاب آجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے خلیفہ مقرر نہ کیا۔ ورنہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور انکے ہمراہیوں پر دنیا میں عذاب آجاتا کہ یہ حضرات ان کے مخالف رہے اس سے پُر لطف بات یہ ہے کہ لوگوں نے خدا تعالیٰ کے نامزد کردہ نبی یعنی حضور ﷺ کی مخالفت کی ان پر عذاب نہ آیا لیکن اگر حضور ﷺ کے نامزد کردہ خلیفہ کی مخالفت کرتے تو عذاب آجاتا۔ حضور ﷺ کا انتخاب فرمانا حضور ﷺ کی نامزدگی بہت اہم ہے۔

؎ ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ترجمہ = آسماں کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ ہے جو عرشِ اعظم سے بھی نازک ہے یہاں تو جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے لوگ بھی فناہ ہو کر حاضری دیتے ہیں۔

صوفیاء فرماتے ہیں۔ مصرع باخدا دیوانہ وبا مصطفیٰ ہشیار باش

بعض مجذوبوں نے جوش میں آکر اَنَا اللّٰہ تو کہہ دیا مگر اَنَا محمد ﷺ کہنے کی جرآت کسی میں نہ ہوئی۔

سرکار مدنی ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد جوبات حضرت حذیفہؓ کہیں اسے سچ ماننا جسے وہ خلیفہ کہیں وہ خلیفہ برحق ہے۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے خلافت کے مطالبہ پر یہ ارشاد فرمایا اور ظاہر ہے حضرت حذیفہ نے جناب صدیق و فاروق کی خلافت کا اقرار کیا۔ لہٰذا وہ خلیفہ برحق ہیں۔ حضرت حذیفہؓ حضور انور ﷺ کے صاحب راز صحابی ہیں۔ حضور ﷺ کے دل کی باتوں دلی ارادوں پر مطلع ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ارادۂ قلبی میں کون کون حضرات کب کب خلیفہ ہونے ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۳۹

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ

رَوَاہُ اَحْمَدُ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

☆ ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا کہ جب تمہیں اپنی نیکی خوش کرے اور اپنی برائی غمگین کرے تو تم کامل مومن ہو۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ گناہ کیا ہے؟ فرمایا جو چیز تمہارے دل میں چبھے اسے چھوڑ دو۔ (احمد)

☆ تشریح

اس شخص نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں سوال کیا کہ مومن ہونے کی پہچان کیا ہے جس سے میں سمجھ سکوں کہ اب میں مومن ہو گیا ہوں۔

سبحان اللہ کیسی نفیس پہچان ہے لوگ تین قسم کے ہیں۔ غافل، عاقل، کامل۔ غافل وہ جو گناہوں پر خوش اور نیکی پر مغموم ہو جیسے کفار یا بعض فساق، عاقل وہ کہ نیکی کو اچھا اور گناہ کو اپنی عقل سے برا سمجھے مگر عملاً بے پرواہ ہو۔ کامل وہ جس کے دل کا رنگ بدل گیا ہو۔ نیکی پر ایسا خوش ہو جیسے بادشاہت مل گئی ہو۔ گناہ پر ایسا غمگین جیسے سب مال و اولاد تباہ ہو گئے ہوں۔ یہ درجہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کامل کا دل ہی گناہ و ثواب میں فرق کر لیتا ہے۔ جیسے نفسِ انسانی مکھی ہضم نہیں کرتا قے کر دیتا ہے۔ ایسے ہی نفسِ ایمانی

گناہ برداشت نہیں کرتا۔ یہ حدیث ان لوگوں کے لئے ہے جو ان صحابی جیسے کامل مومن ہوں ہم جیسے گنہگاروں کے لئے نہیں ہم تو بہت دفعہ برائیوں کو نیکیاں سمجھ لیتے ہیں۔

☆حدیث نمبر ۴۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَوَ قَدْ وَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ باب الوسوسۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں سے کچھ حضرات حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ انھیں بیان کرنا بہت بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کیا تم نے یہ بات پائی ہے عرض کیا ہاں، فرمایا یہ کھلا ہوا ایمان ہے۔ (مسلم)

☆ تشریح

یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کمال ایمان کی دلیل ہے کہ وسوسہ پر عمل کرنا تو کیا اسے زبان پر لاتے بھی گھبراتے ہیں
وسوسے آنا کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے اور شیطان مومن کی فکر میں زیادہ رہتا ہے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو نماز وسوسہ سے خالی ہو وہ نماز یہود ونصاریٰ کی ہے۔ (مرقات)

یا وسوسوں کو برا سمجھنا عین ایمان ہے۔ کیونکہ کافر تو انہیں اچھا سمجھ کر ایمان لے آتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا حتیٰ کہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ جب کسی شخص کو ایسا تردد لاحق ہو تو وہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اپنی توجہ اس وسوسہ سے ہٹالے (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۴۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَلُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ

خَلَقَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْ ذٰلِكَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ثُمَّ لِيَتْفُلْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلٰثًا وَّ لْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ

(مشکوٰۃ باب الوسوسۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ لوگ پوچھتے رہیں گے حتیٰ کہ یہ کہا جائے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔ جب یہ کہیں تو تم کہہ دینا اللہ ایک ہے، وہ بے نیاز ہے، نہ اس نے جنا نہ وہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ پھر اپنے بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (ابو داؤد)

☆تشریح

یہ وسوسہ ہے کہ ہر موجود کا کوئی مؤجد چاہیے اور اللہ بھی موجود ہے لہٰذا اس کا مؤجد بھی ہونا چاہیے یہ ہے شیطانی وسوسہ، شیطان عالموں کے دل میں عالمانہ وسوسے اور صوفیاء کے دل میں عاشقانہ اور عوام کے دل میں عامیانہ وسوسے ڈالتا ہے۔ جیسا شکار ویسا جال، بہت دفعہ انسان گناہ کو عبادت سمجھ لیتا ہے۔

سبحان اللہ کتنے نفیس منطقی دلائل ہیں اولاد کے لئے تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ صاحب اولاد میں دوئی ہو سکے کیونکہ اولاد باپ کے ساتھ جنساً ایک اور شخصاً دوسری ہوتی ہے۔رب تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے ،، احد ،، میں یہی اشارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ صاحب اولاد ،اولاد کا حاجتمند ہوتا ہے اپنی وراثت یا زور بازو کے لئے اولاد چاہتا ہے۔لیکن پروردگار بے نیاز ہے۔ ،،صمد ،، میں یہی فرمایا گیا ہے۔ تیسرا یہ کہ ہر ممکن موجود موجد کا حاجتمند ہے۔پروردگار واجب ہے ، نیز بیٹا باپ کی مثل کا ہونا چاہئے ،رب کی مثل کوئی نہیں ،، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یہ حکم کہ بائیں طرف تین بار تھوک دو، یہ تھوک شیطان کے منہ پر پڑے گا جس سے وہ ذلیل ہو کر بھاگے گا۔ کیونکہ شیطان اکثر بائیں طرف سے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کبھی تھوک سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔بعض صوفیاء دم کر کے تھتکار بھی دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۴۲

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَهِمُ فِیْ صَلَاتِیْ فَیَکْثُرُ ذٰلِکَ عَلَیَّ فَقَالَ لَهٗ اِمْضِ فِیْ صَلَاتِکَ فَاِنَّهٗ لَنْ یَّذْهَبَ ذٰلِکَ عَنْکَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلَاتِیْ رَوَاهُ مَالِکٌ

(مشکوٰۃ باب الوسوسہ)

☆ترجمہ

حضرت قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ ان سے کسی شخص نے پوچھا کہ میں اپنی نماز میں وہم کرتا ہوں اور یہ واردات مجھ پر اکثر ہوتی رہتی ہے - فرمایا اپنی نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ وہم تو جائے گا نہیں - یہاں تک کہ تم یہ کہتے ہوئے نماز ختم کرو گے کہ میری نماز مکمل نہ ہوئی- (مالک)

☆ تشریح

قاسم بن محمدؒ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں جلیل القدر تابعی - مدینہ منورہ کے سات قاریوں میں سے ایک ہیں - حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی پھوپھی اور زین العابدین آپ کے خالہ زاد بھائی -امام محمد باقر کے آپ خسر، امام جعفر صادق کے آپ نانا ہیں- چونکہ آپ یتیم رہ گئے تھے اس لئے عائشہ صدیقہؓ نے آپ کی پرورش کی ، آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امیر معاویہ سے روائتیں کیں- (اشعہ و مرقات)

سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے کہ ان خطرات کی وجہ سے نہ نماز چھوڑو نہ لوٹاؤ یہ تو آتے ہی رہیں گے- جب نفس شیطان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو تم نماز کیوں چھوڑتے ہو- مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہیں چھوڑا جاتا- تم اللہ کے بندے ہو دل کے بندے نہیں ، دل لگے یا نہ لگے نماز پڑھے جاؤ-

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نماز مکمل نہ ہونے کا وہم کافی نہیں- ان

وہموں کا خیال نہ کرے نماز پڑھے جائے۔ (مرات)

☆ حدیث نمبر ۴۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْکَبَائِرُ اَلْاِ شْرَاکُ بِا للّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاہُ الْبُخَارِیُ وَفِی رَوَایَۃِ اَنَسٍ وَشَہَادَۃُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْیَمِیْنِ الْغَمُوْسِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(مشکوٰۃ باب الکبائر و علامات النفاق)

☆ ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ کے ساتھ شرک، ماں باپ کی نافرمانی، جان کا قتل، جھوٹی قسم بڑے گناہ ہیں ۔اسے بخاری نے روایت کیا اور حضرت انسؓ کی روایت میں جائے جھوٹی قسم کے جھوٹی گواہی ہے۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

یعنی والدین کے حقوق ادا نہ کرنا یا ان کے جائز حکموں کی مخالفت کرنا۔ ماں

باپ کے حکم میں دادا دادی اور نانا نانی بھی ہیں - اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے - کہ شرک کے بعد اس کا ذکر فرمایا گیا - اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کا ذکر فرمایا اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو)

غموس قسم وہ ہے جو دیدہ ودانستہ گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھائی جائے اس میں گناہ ہے ، کفارہ نہیں - یہ قسم انسان کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے - اس لئے اسے غموس کہتے ہیں - چونکہ جھوٹ اور جھوٹی قسم ہزارہا گناہوں کی جڑ ہے اس لئے یہ گناہ کبیرہ ہے

خیال رہے حضور علیہ السلام کے جوابات سائلین کے حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں - یاد رہے کہ شرک کی دو اقسام ہیں شِرْك فِي الذَّات اور شِرْك فِي الصِّفَات - شِرْك فِي الذَّات سے مراد کسی اور ذات کو معبود حقیقی سمجھنا یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور ذات کو اللہ ماننا شِرْك فِي الذَّات ہے - اور شِرْك فِي الصِّفَات سے مراد اللہ کی صفات کسی اور ذات میں ہو بہو ماننا، شرک فی الصفات ہے -

یہاں پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ غیب جاننا، دور نزدیک سے سننا، ہر جگہ موجود ہونا یہ خدا کی صفات ہیں لہٰذا کسی اور ذات میں ماننے سے شرک ہو جاتا ہے ہر گز ہرگز اس طرح نہیں - مذکورہ صفات اللہ کی ذاتی صفات ہیں - اللہ کو یہ صفات کسی نے عطا نہیں کیں - اور جس وقت ہم یہ صفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مانتے ہیں تو اس سے مراد اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ صفات (غیب جاننا ، دور و نزدیک سے سننا وغیرہ) اللہ کی عطا کردہ ہیں - سو اس طرح شرک کا شائبہ بھی نہیں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ بے شک وہ

(اللہ) سمیع وبصیر ہے یعنی سننے اور دیکھنے والا ہے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا وَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور ہم نے اس (انسان) کو سمیع وبصیر بنایا سو واضح ہوا کہ اللہ خود سمیع وبصیر ہے اسی اللہ نے انسان کو بھی سمیع وبصیر بنایا۔ اللہ کا سمیع وبصیر ہونا، یہ صفات اللہ کی ذاتی ہیں اور انسان کا سمیع وبصیر ہونا خدا کی عطائی صفات ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۴۴

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى اَلْاٰيَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(مشکوٰۃ باب الایمان با لقدر)

☆ ترجمہ

حضرت علیؓ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جا چکا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں اور عمل چھوڑ دیں فرمایا عمل کئے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہونگے جس کے لئے پیدا ہوا۔ اگر خوش نصیبوں سے ہے تو اسے خوش نصیبی کے اعمال آسان ہونگے اور اگر بد نصیبوں سے ہے تو اسے بد نصیبی کے اعمال میسر ہونگے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ لیکن جو خیرات کرے اور پرہیزگار اور ایماندار ہو آیۃ

(مسلم و بخاری)

☆ تشریح

حضرت علیؓ کے نام سے کون واقف نہیں علی ابن ابی طالب کنیت ابو الحسن اور ابو تراب لقب حیدر کرار ہے ، قرشی ہیں ، ہاشمی ، مطلبی ، اسلام کے چوتھے خلیفہ ، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آٹھ یا دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ حضور ﷺ کے ساتھ سوائے غزوہ تبوک کے باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کے فضائل بے شمار ہیں۔ آپؓ ہی نسل جناب مصطفےٰ کی اصل ہیں ، اخی الرسول ، زوجِ بتول۔ آپ کا ایک ہاتھ چار یار میں دوسرا پنجتن پاک میں۔ شاہِ خیبر شکن ہیں

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

آپؓ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ عین شہادتِ عثمانؓ کے دن خلیفہ ہوئے۔ چار سال نو مہینے خلافت کی اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ کوفہ کی مسجد میں شہید کیئے گئے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی نے ایک عورت قطام کے عشق میں مبتلا ہوکر اسی کے کہنے پر شہید کیا۔ شہادت کے تیسرے دن وفات پائی۔ امام حسنؓ و حسینؓ و عبداللہ ابن جعفرؓ نے آپ کو غسل دیا۔ امام حسنؓ نے نماز پڑھائی۔ کوفہ کے قبرستان نجف میں دفن ہوئے قبرِ انور زیارت گاہِ خلق ہے۔ آپ کی نو بیویاں ہوئیں۔ فاطمۃ الزہرا، اُمِ نبین، لیلیٰ بنت مسعود، اسماء بنت عمیس، امامہ بنت ابی العاص، خولہ بنت جعفر، صہبا بنت ربیعہ، ام سعید بنت عروہ اور محیاء بنت امرؤالقیس۔ ان بیویوں سے ۱۴ بیٹے اور نو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سے حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ۔ ام کلثومؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ہیں۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اعمال عموماً انجام کی علامتیں ہیں۔ جنتی کو نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں، دوزخی کو اس کا الٹا۔ مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔ کبھی عمر بھر کا مجرم جنتی ہو کر مرتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی۔ لوحِ محفوظ میں کام اور انجام دونوں لکھے جاچکے ہیں کہ فلاں نیکیاں کرے گا اور جنت میں جائے گا اور فلاں کفر وغیرہ کرے گا لہٰذا جہنمی ہوگا۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے نیز کوئی شخص دوزخی اور جنتی ہونے پر مجبور نہیں۔

حدیثِ مذکور میں آیت کریمہ اگرچہ ابوبکر صدیقؓ کے ایمان اور سخاوت کے متعلق نازل ہوئی ہے، چونکہ عبارت عام ہے اس لئے ہر جگہ منطبق ہوسکتی ہے۔

اس حدیث کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ جب انسان کا جنتی یا جہنمی ہونا پہلے سے لکھ دیا گیا ہے تو پھر انسان کو افعال کا مکلف کیوں کیا گیا اور سزا یا جزا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نہیں کہ جو اللہ نے لکھ دیا ہم اس کے تابع اور اس کے مطابق کام کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا اس کا پہلے اللہ تعالیٰ کو علم تھا اور اس نے اپنے اس علم کو لکھکر لوح میں محفوظ کر لیا یعنی علم معلوم کے تابع ہے، معلوم علم کے تابع نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ (اور انہوں نے جو کچھ کام کیے وہ سب کام نوشتوں میں ہیں) یعنی ان کے کیے ہوئے کام لوح میں لکھے ہوئے ہیں یہ نہیں کہ جو کچھ لوح میں لکھا ہوا ہے وہی ان کو کرنا ہے۔

انسان کو جزا و سزا اس کے ارادے اور اختیار کی وجہ سے ملتی ہے۔ اگر انسان نیکی اختیار کرے تو رب بھی نیکی پیدا کر دیتا ہے اور بدی کو اختیار کرے تو بدی پیدا کی جاتی ہے۔ اور ازل میں جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے ارادہ و اختیار کا علم تھا اس علم سے انسان کے اختیار اور آزادی عمل کی نفی ہوتی ہے - نہ ان پر جزاء اور سزا کے

استحقاق کی نفی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام واقعات اچھے برے، مفید اور مضر سب اللہ تعالیٰ کی قضاء سے وابستہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تقدیر پر تکیہ کر کے اعمال چھوڑنا ممنوع ہے بلکہ شریعت کے مطابق اعمال کرنا واجب ہے۔ جس شخص کو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے نیکی آسان اور بدکاروں کے لئے اعمال بد آسان ہوتے ہیں۔

علامہ سعیدی مزید لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ انسانی افعال کا خالق اللہ تعالیٰ، اور کاسب خود انسان ہے۔ انسان کسب کرتا ہے اور اللہ خلق کرتا ہے، خلق کے معنی ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ علامہ محب اللہ

باری نے لکھا ہے کہ کسب قصد مصمم (پختہ ارادہ) کو کہتے ہیں-اللہ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ قصد مصمم کے بعد فعل پیدا کرتا ہے-قرآنِ پاک کی متعدد آیات میں ذکر ہے کہ اللہ انسان کے افعال کا خالق ہے،اسی لئے سنی کہتے ہیں کہ افعال کا خالق اللہ ہے- اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیجا، جنہوں نے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کی-اور اللہ نے نیکی پر جزاء اور برائی پر سزا دینے کا نظام قائم کیا اور جنت و دوزخ کو بنایا،اس لئے ضروری تھا کہ انسان کے لئے قصد اور اختیار کو تسلیم کیا جائے-کیونکہ اگر انسان کو نیکی و بدی اور اچھائی و برائی پر اختیار نہ ہو تو رسولوں کو بھیجنے اور جزاء و سزا کے نظام کا کوئی معنی نہیں- (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۴۵

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ فِیْ یَدَیْہِ کِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا ھٰذَانِ الْکِتَابَانِ قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَآءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَ اَسْمَآءُ اٰبَائِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ

فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهٖ هٰذَا كِتٰبٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَآءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَآءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَا الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

☆ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ تشریف لائے کہ دستِ اقدس میں دو کتابیں تھیں فرمایا کیا جانتے ہو یہ کتابیں کون سی ہیں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بتائے بغیر ہم نہیں جانتے۔ تو اپنے داہنے ہاتھ کی کتاب کے متعلق فرمایا یہ کتاب ربُّ العالمین کے پاس سے آئی ہے جس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کا میزان لگا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں کبھی زیادتی یا کمی نہیں ہو سکتی۔ پھر بائیں

ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے آئی ہے اس میں دوزخیوں، ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کا ٹوٹل لگا دیا گیا ہے۔ اب ان میں کبھی زیادتی اور کمی نہیں ہو سکتی۔ صحابہؓ نے عرض کیا عمل کہاں گئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس معاملے سے فراغت ہو چکی، فرمایا سیدھے رہو، قرب الٰہی حاصل کرو، کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنتیوں کے عمل پر ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے کوئی بھی کام کرے اور یقیناً دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے کام پر ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے کوئی عمل کرے۔ پھر حضور ﷺ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر انہیں جھاڑ دیا پھر فرمایا کہ تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ایک ٹولہ جنتی اور دوسرا ٹولہ دوزخی ہے۔

☆ تشریح

حضور ﷺ کے ایک دائیں ہاتھ میں اور دوسری بائیں ہاتھ میں کتاب تھی۔ حق یہی ہے کہ کتابیں حسی تھیں جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دیکھ رہے تھے نہ کہ فقط خیالی اور وہمی جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے۔ (مرقات واشعۃ)

فرمایا یہ دونوں کتابیں جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کس مضمون کی ہیں اور ان میں کیا لکھا ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نظر آرہی تھیں ورنہ ھٰذَانِ سے اشارہ نہ فرمایا جاتا، نیز پھر صحابہؓ پوچھتے کہ کون سی کتابیں اور وہ کہاں ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کتابیں تو دیکھ رہے ہیں مگر ان کے مضامین سے بے خبر ہیں۔ آپ ﷺ اطلاع بخشیں تو خبردار ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ

کتابوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کتابوں کے تفصیلی عالم بھی ہیں اور لوگوں کو وہ کتابیں پڑھااور بتا بھی سکتے ہیں، یہی صحابہؓ کا عقیدہ تھا۔

فرمایا یہ کتاب ربّ العالمین کے پاس سے آئی ہے جس میں رب کے خصوصی علم کا اظہار ہے۔ فرمایا اس ساری کتاب میں جنتیوں کے نام، پتے، کام تو فہرست میں ہیں اور آخر میں ٹوٹل ہے کہ کل اتنے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر جنتی و دوزخی کا تفصیلی علم بخشا۔ ان کے باپ دادوں، قبیلوں اور اعمال پر مطلع کیا۔ یہ حدیث حضور ﷺ کے علم کی تاہندہ دلیل ہے۔ جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ (مرآت)

سرکار نے فرمایا کہ اس کتاب میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ نے اس میں تقدیر مبرم کی تفصیل فرمائی ہے اور مجھے اس کا علم بخشا ہے۔ تقدیر معلّق اور مشابہ معلّق میں زیادتی کمی ممکن ہے۔ خیال رہے لوحِ محفوظ میں محو واثبات کی تحریر بھی ہے۔ اور ام الکتاب میں صرف قضائے مبرم کی، لوحِ محفوظ تک ملائکہ کا علم پہنچتا ہے مگر میرے حضور ﷺ کا علم اُمّ الکتاب تک ہے۔ یہاں صحابہ کرامؓ کو اجمالی طور پر بتایا گیا ہے۔ (مرقات)

آقائے دو جہاں ﷺ نے دوسری کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ رب کی طرف سے آئی ہے یعنی بلاواسطہ فرشتہ یا بلواسطہ فرشتہ اُمّ الکتاب سے نقل ہو کر جہاں کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں کیونکہ یہ قضاء مبرم ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قضاء مبرم پر حضور ﷺ کو مطلع فرمایا ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر انجام کا دارومدار اللہ کی تحریر پر ہے، نہ کہ ہمارے اعمال پر، پھر اعمال کی ضرورت ہی کیا رہی؟ فرمایا نیک اعمال اور صحیح عقائد

اختیار کرو تاکہ تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو۔

پھر حضور ﷺ نے ہاتھوں کو جھٹکا دیا جس سے دونوں کتابیں غائب ہو گئیں یا کتابوں کو عالم غیب کی طرف پھینکا ، یہ پھینکنا ان کی اہانت کے لئے نہ تھا نہ اس سے وہ کتابیں زمین پر گریں۔

ایک ٹولہ جنتی اور ایک ٹولہ دوزخی ، یہ قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے اور بندوں سے مراد انسان ہیں کیونکہ جنت میں ثواب کے لئے انسانوں کے سوا کوئی نہ جائے گا۔ یہ آدم علیہ السلام کی میراث ہے انہی کی اولاد کو ملے گی۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ صحابی نے عرض کیا کہ جو ہم منتر کرتے ہیں اور جو دوائیں اور پرہیز ہمارے استعمال میں آتے ہیں کیا یہ اللہ کی تقدیر کو پلٹ دیتے ہیں۔ فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر سے ہے۔

خیال رہے تعویذ، گنڈے، دم درود ، جھاڑ پھونک اگر قرآنی آیات یا حدیث کی دعاؤں یا بزرگوں کے اعمال سے ہوں تو جائز ورنہ ممنوع ہیں۔ سرکار نے فرمایا منتر ، دوا، پرہیز وغیرہ ان کا استعمال جائز ہے اور تقدیر میں یہی لکھا جا چکا ہے۔ کہ فلاں بیماری ، فلاں دوا یا تعویذ سے جائے گی۔ اور فلاں مصیبت اس جھاڑ پھونک یا پرہیز سے رفع ہو گی۔ یعنی مصیبتوں کا آنا اور تدابیر سے جانا سب مقدر میں شامل ہے۔ تدبیر تقدیر کے خلاف نہیں۔ معلوم ہوا گنڈا تعویذ، جھاڑ پھونک مثلِ دوا کے علاج ہیں اور جائز ہیں بلکہ سنتِ صحابہؓ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (مرآت)

اسی لئے اکثر اہل اللہ کا معمول بھی ایسا ہی رہا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۲۶

وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ اَنَّ رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَ ھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً وَ اُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَ ھٰذَا لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا رَوَاہُ اَحْمَدُ

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

☆ ترجمہ

حضرت ابو نضرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب جنہیں ابو عبداللہ کہا جاتا تھا، ان کے دوست کی بیمار پرسی کے لئے آئے تو وہ رو رہے تھے تو یہ حضرات بولے کیوں روتے ہو؟ کیا تم سے حضور ﷺ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ اپنی مونچھیں کتواؤ پھر اس کے پابند رہو۔ یہاں تک کہ مجھے ملو۔ وہ بولے ہاں، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ عزّ وجل نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مٹھی لی اور دوسری دوسرے ہاتھ میں اور فرمایا یہ اس کے لئے ہے اور یہ اس کے لئے ہے اور مجھے پرواہ نہیں۔ اور مجھے خبر نہیں کہ میں کونسی مٹھی میں تھا۔ (احمد)

☆ تشریح

حدیثِ پاک کے راوی نضرہ ابن منذر مالک عبدی جلیل القدر تابعی ہیں خواجہ حسن بصریؒ سے کچھ پہلے بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۷ھ میں وہاں ہی وفات پائی (مرآت)

صحابیٔ رسول موت کے خوف یا بیماری کی تکلیف سے نہیں رو رہے تھے بلکہ خوفِ خدا سے رو رہے تھے۔ موت کے وقت یہ حالت اللہ کی خاص رحمت ہے۔ ان صحابی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ عیادت کرنے والے حضرات صحابہ اور تابعین ہوں گے۔ ایک صاحب بولے اے صحابیٔ رسول تمہیں آئندہ کیا کھٹکا ہے؟ تمہیں تو حضور علیہ السلام نے دو خوشخبریاں دے دی ہیں ایک یہ کہ تم جنتی ہو اور دوسری یہ کہ تم جنت میں حضور علیہ السلام کے قرب کے مستحق ہو۔

خیال رہے کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کتروانا، اتنا کہ اوپر کے ہونٹ کا سارہ کنارہ کھل جائے سنتِ مؤکدہ بلکہ واجب ہے۔ اور اس کی پابندی جنتی ہونے اور حضور علیہ السلام کے قرب ملنے کا ذریعہ ہے، جیسے ترکِ سنت حضور علیہ السلام سے دوری کا سبب ہے۔

دستِ قدرت کی ان مٹھیوں میں انسانوں کی روحیں تھیں یہ حدیث متشابہات سے ہے۔ ربِ کائنات مٹھی کے ظاہری معنی سے پاک ہے۔ داہنی مٹھی والے جنتی اور بائیں والے دوزخی۔ صحابی نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں داہنی میں تھا یا بائیں مٹھی میں۔ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت کی نفی ہے۔ درایت اٹکل یا قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں حضور علیہ السلام کی بشارت سے ان کو اپنے جنتی ہونے کا علم

یقینی حاصل ہو چکا تھا- آج صدیق وفاروق رضوان اللہ علیھما کے جنتی ہونے پر ہمارا ایمان ہے- جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ بے ایمان ہے- آپ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ ان مٹھیوں والی حدیث میرے سامنے ہونے کی وجہ سے میری نظر بشارت پر رہی ہی نہ تھی- اس لئے میں رو رہا تھا، خیال رہے ان صحابہ کا یا خود نبی کریم ﷺ کا خوف جلال ہے نہ کہ خوفِ عذاب- انہیں خدا کے وعدوں پر بے اعتباری نہ تھی، جیسے ایک وزیر کو بادشاہ کی ہیبت ہوتی ہے- جو خدا کے وعدوں پر اعتماد نہ کرے وہ کافر ہے- خوفِ جلال قوتِ ایمان کی دلیل ہے- موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے ایذاء کا خوف تھا اگرچہ اللہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ فرمالیا تھا، لہٰذا اس حدیث سے مسئلہ امکانِ کذب ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا- (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۴۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَکَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْکَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّکِیْرُ فَیَقُوْلَانِ مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَیَقُوْلَانِ قَدْ کُنَّا نَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ یُفْسَحُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِیْنَ ثُمَّ یُنَوَّرُ لَهٗ فِیْهِ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ نَمْ فَیَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِیْ فَاُخْبِرُهُمْ فَیَقُوْلَانِ نَمْ کَنَوْ

مَقِرُ الْعُرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّآ اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِکَ وَ اِنْ کَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ قَدْ کُنَّا نَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْلُ ذٰلِکَ فَیُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِیْ عَلَیْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَیْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا یَزَالُ فِیْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰی یَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِکَ

رَوَاهُ التِّرْمَذِیُّ (مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میت دفن کی جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ ، نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں -ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے-وہ پوچھتے ہیں کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو میت کہتا ہے یہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں-تب وہ کہتے ہیں ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا-پھر اس کی قبر میں فراخی دی جاتی ہے-ستر گز، ستر گز میں، پھر اس کے لئے وہاں روشنی کر دی جاتی ہے-پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا وہ کہتا ہے میں اپنے گھر جاؤں تاکہ ان کو یہ خبر دوں-تو وہ کہتے ہیں دلہن کی طرح سو جا، جسے اس کے پیارے خاوند کے سواء گھر کا کوئی نہیں جگاتا-یہاں تک کہ اللہ اسے اس کی خواب سے اٹھائے گا-اور اگر مردہ

منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے کچھ کہتے سنا تھا- اس طرح میں بھی کہہ دیتا تھا میں نہیں پہچانتا- تب وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا- پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہو جا وہ اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ مُردے کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں، پھر وہ عذابِ قبر میں ہی رہتا ہے- تا آنکہ اللہ اسے اس ٹھکانے سے اٹھائے- (ترمذی)

☆ تشریح

مُردے کے دفن کا ذکر اتفاقی ہے، چونکہ عرب میں عام طور پر مردے دفن ہی کئے جاتے تھے، ورنہ جو مردہ دفن نہ بھی ہو بلکہ اسے جلا کر خاک کر دیا گیا ہو یا شیر، مچھلیاں کھا گئی ہوں، اس کے اجزائے اصلیہ سے رُوح متعلق کر دی جاتی ہے اور سوال جواب ہو جاتے ہیں- اگرچہ وہ اجزاء دنیا میں بکھرے ہوں- (مرقات و لمعات)

منکر و نکیر دونوں وہ فرشتے ہیں جو حسابِ قبر پر مقرر ہیں- یہ انسانی شکل میں اس لئے آتے ہیں تاکہ ان کی ہیبت سے کفار تو گھبرا جائیں اور حیرانی سے جواب نہ دے سکیں اور مومن مطمئن رہیں اور بآسانی جواب دیں- یہ گھبراہٹ و اطمینان کافر و مومن میں فرق کے لئے ہے- اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نورانی مخلوق میں بیک وقت ہزار ہا جگہ موجود ہو جانے کی طاقت ہے- دو فرشتے ایک آن میں ہزار ہا قبروں میں پہنچ جاتے ہیں لہٰذا بعض اولیاء کا بیک وقت چند جگہ پایا جانا ممکن ہے- دوسرا یہ کہ جب نور شکلِ انسان میں آئے تو جسمِ انسانی کے لوازمات اس میں پائے جائیں گے- فرشتے نور ہیں، نور نہ کالا نہ نیلا، مگر جب شکلِ انسانی میں آئے تو ان کے

چہرے کا رنگ کالا اور آنکھیں نیلی تھی- موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تو کھاتی پیتی بھی تھی- ہاروت ماروت فرشتے جب شکلِ انسانی میں آتے تو کھاتے پیتے تھے- معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کھاتے پیتے تھے لیکن تھے نور-

منکر و نکیر کے معنی ہیں اجنبی جس کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو چونکہ میت نے انہیں کبھی دیکھا نہیں ہوتا ان کی شکل ہیبت ناک ہوتی ہے، اس لئے ان کا یہ نام ہے- صاحبِ اشعۃ فرماتے ہیں کہ کافروں سے سوالات پوچھنے والے فرشتوں کے یہ نام ہیں اور مومنوں کے ممتحوں کے نام مبشر اور بشیر ہیں، ناموں کا فرق ہے مگر ذات ایک ہی ہے- (اشعۃ)

صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ شکل پاک مصطفےٰ علیہ السلام ہر قبر میں جلوہ گر ہوتی ہے جیسے ہر آئینہ میں سورج- بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر سے روضۂ اطہر تک کے حجابات اٹھادئے جاتے ہیں، جس سے میت بے تکلف جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کرتا ہے، بعض نے فرمایا کہ مومن سے پھر یہ جمال قیامت تک غائب نہیں ہوتا، اسی لئے بعض عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں- حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اہلِ بیت میں تم مجھے سب سے پہلے ملوگی- یا ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سے جو زیادہ سخی ہوگی وہ مجھ سے پہلے ملے گی- اس کا یہی مطلب ہے- فرشتوں کا حضور علیہ السلام کو رجل کہنا توہین کے لئے نہیں کہ یہ کفر ہے- بلکہ امتحان کی تکمیل کے لئے ہے- اگر وہ نبی یا رسول کہہ دیتے تو امتحان کیسا؟

اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حسابِ قبر حضور علیہ السلام سے نہیں لیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام ہی کی پہچان کا تو حساب ہے، پھر آپ سے کیسے ہوتا- دوسرا یہ کہ قبر میں ہر مردے کو قریب سے حضور علیہ السلام کی زیارت کرائی جاتی ہے- جیسا

کہ ھٰذَا سے معلوم ہوا ھذا وہاں بولتے ہیں جہاں چیز نظر بھی آ رہی ہو اور قریب بھی ہو- تیسرا یہ کہ حضور علیہ السلام بیک وقت سب کی قبور میں پہنچ سکتے ہیں یا سب کو بیک وقت نظر آ سکتے ہیں- جیسے سورج کی شعائیں بیک وقت لاکھوں جگہ موجود اور بیک وقت خود ہر جگہ سے نظر آتا ہے اس سے حاضر ناظر کا مسئلہ حل ہوا- چوتھا یہ کہ فرشتے خود حضور علیہ السلام کی زیارت کراتے ہیں نہ کہ آپ کے فوٹو کی، کیونکہ فوٹو نہ رجل ہے نہ اس فوٹو کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، نہ وہ فوٹو نبی ہے، جیسے پتھر کو خدا کہنا شرک ہے ایسے ہی کسی فوٹو کو نبی بتانا بھی کفر ہے- عشاق اس دیدار قبر کی بناء پر موت کی تمنا کرتے ہیں اور عاشقوں کی موت کو عُرس کہا جاتا ہے یعنی برات کا دن یا دولہا کی دِید کی عید کا دن-

قبر میں سوالات وجوابات تین ہوتے ہیں مگر اس حدیث میں ایک سوال فرمایا گیا ہے جو سب کو جامع تھا اور جواب تینوں کا توحید، دین اور رسالت- منکر نکیر کا یہ سوال وجواب قانونی طور پر ہوتا ہے- ہم تیرے ایمان سے بے خبر نہ تھے معلوم ہوا کہ فرشتے ہر شخص کی سعادت اور شقاوت ، کفر و ایمان سے خبردار ہیں- ہمارے حضور علیہ السلام جو اعلم الخلق ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا- (مرآت)

صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ فرشتے مومن میت کی پیشانی میں نورِ ایمان کی شعاع عبادت کا اثر اور سعادت کی علامتیں دیکھتے ہیں- جیسے قیامت میں ہر شخص مومن و کافر کو پہچان لے گا- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ یعنی اس دن کچھ چہرے سفید اور کچھ سیاہ ہوں گے-

ستر گز ستر گز میں کا مطلب ہے (70 x 70) ستر ضرب ستر یعنی چار ہزار نو سو مربع گز، ستر گز لمبی اور ستر گز چوڑی (کل رقبہ چار ہزار نو سو مربع گز)

یہ بیان وسعت کے لئے ہے نہ کہ حصر کے لئے۔ بعض روایتوں میں تا حدِ نگاہ آتا ہے۔ قبر میں روشنی چاند سورج وغیرہ کی نہیں ہوتی بلکہ نورِ الٰہی یا نورِ مصطفوی کی جگمگاہٹ ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایمان قلبی کا نور ہو۔

میّت چاہتا ہے کہ میں گھر والوں کو بتاؤں کہ میں کامیاب ہو گیا اور نہایت آرام سے ہوں۔ معلوم ہوا میّت اپنے گھر والوں کو پہچانتا ہے اور وہاں پہنچنے کی بھی طاقت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم مجھے لے چلو، یا سواری لاؤ بلکہ کہتا ہے میں جاتا ہوں، اگرچہ اس کے گھر والے صدہا کوس دور ہوں۔ (مرآت)

صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ قبر میں سونے سے مراد آرام کرنا ہے یعنی یہ برزخی زندگی۔ آرام سے گزار لے کہ تجھ تک سواء خدا کی رحمت کے کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچ سکے گی۔ جیسے کہ نو عروس دلہن کے پاس دولہا کے سوا کوئی نہیں پہنچتا۔ یہ نیند غفلت والی مراد نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

ترجمہ۔ جو روزی پاتے ہیں اس پر خوش ہیں، جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی، جو ابھی ان سے نہ ملے۔

معلوم ہوا، اللہ کے مقبول قبر میں جنتی روزی کھاتے ہیں خوش و خرم رہتے ہیں اور دنیا کے لوگوں کی خبر رکھتے ہیں اگر وہ سوگئے ہوتے تو پھل کیسے کھاتے۔ یہاں کی خبر کیسے رکھتے۔ نیز قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنا سنت نہ ہوتا، کیونکہ سوئے ہوئے لوگوں کو سلام کرنا منع ہے۔ یہ حدیثِ پاک بزرگوں کے عُرس کا ماخذ ہے چونکہ فرشتوں نے اس دن صاحبِ قبر کو عروس کہا ہے لہٰذا اس دن کا نام روزِ عُرس ہے۔ موت مومن کی شادی اور کافر کی گرفتاری کا دن ہے۔ معلوم ہوا کہ دلی

ایمان قبر میں ساتھ جائے گا نہ کہ زبانی اسلام۔

فرشتوں کا منافق کو یہ کہنا کہ تیرا کفر پر مرنا ہمیں معلوم ہے۔ کیونکہ لوحِ محفوظ ہمارے سامنے ہے۔ تیری پیشانی میں کفر کی تاریکی دیکھ رہے ہیں یہ سوال جواب محض قانون کے لئے ہے۔

منافق پر قبر اس طرح تنگ ہو جاتی ہے کہ دائیں پسلیاں بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف، لیکن یہ حالت ہماری حس سے بالا ہے۔ اگر ہم کافر کی لاش دیکھیں تو ویسی ہی معلوم ہوگی۔ اگر ایک ہی قبر میں کافر و مومن دفن ہو گئے تو وہی قبر مومن کے لئے فراخ ہوگی اور کافر کے لئے تنگ۔ مومن کے لئے روشن اور کافر کے لئے اندھیری۔ مومن کے لئے ٹھنڈی اور کافر کے لئے گرم۔ مومن کے لئے مشکی ہوئی اور کافر کے لئے بدبودار، جیسے ایک بستر میں دو آدمی سو رہے ہوں ایک اچھی اور خوش کن خواب دیکھے دوسرا پریشان کن اور ہیبتناک خواب دیکھے۔ بستر ایک ہے مگر دونوں کی حالتیں مختلف، خواب برزخ کی ایک تمثیل ہے۔ خواب اکثر خیال ہوتی ہے مگر برزخ میں حقیقت ہوگی۔ پسلیاں فرمانا سمجھانے کے لئے ورنہ جن کفار کی پسلیاں راکھ بنا دی گئیں یا جانوروں نے ہضم کر لیں ان کی روح پر بھی تنگی ایسی ہی ہوگی، اس لئے قبر ایک شکنجہ ہے۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹتے ہیں۔

اَنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ (تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے)

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مُردے سنتے ہیں۔ مُردوں کا سننا قرآنی آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا

گیا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا (ذبح کئے ہوئے جانوروں کو پکارو دوڑتے ہوئے آجائیں گے) یہ حدیث سماعِ موتی کے لئے نصِ صریح ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نے بدر میں مقتول کفار کی لاشوں پر کھڑے ہو کر ان سے کلام کیا، خیال رہے مُردے کا یہ سننا ہمیشہ رہتا ہے اس لئے حکم ہے کہ قبرستان میں جاکر مُردوں کو سلام کرو، حالانکہ نہ سننے والوں کو سلام کیسا؟ جن آیات میں سماعِ موتیٰ کی نفی ہے وہاں مُردوں سے مراد دل کے مُردے یعنی کافر ہیں اور سننے سے مراد قبول کرنا ہے۔ اسی لئے جہاں قرآن نے یہ فرمایا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے) وہاں ساتھ میں یہ بھی فرمادیا اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا یعنی تم صرف مومنوں کو ہی سنا سکتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہاں مُردوں سے مراد کافر تھے۔

صاحبِ مرقات ملا علی قاری حنفی یہاں فرماتے ہیں کہ میت اپنے کفن دینے والوں، نماز پڑھنے والوں، اٹھانے والوں اور دفن کرنے والوں کو جانتا پہچانتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ گنبدِ خضریٰ میں حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد پردے کے ساتھ اندر جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ میں عمرؓ سے حیا کرتی ہوں۔ معلوم ہوا میت دیکھتی بھی ہے۔ امام صاحبؒ نے میت کے سننے میں توقف نہیں کیا بلکہ سننے کی نوعیت میں توقف کیا، جیسا کہ اس جگہ مرقات میں ہے۔

دوسرا یہ کہ بعد موت قوتیں بڑھ جاتی ہیں کہ ہزار ہا من مٹی میں دفن ہونے کے باوجود میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن لیتی ہے۔ تو جو انبیاء اور اولیاء زندگی میں مشرق و مغرب دیکھتے ہوں وہ بعد وفات فرش و عرش کی یقیناً خبر رکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر جمعرات کو میّت کی رُوح اپنے عزیزوں کے گھر پہنچ کران سے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتی ہے۔ (اشعۃ باب زیارۃ قبور)

معراج کی رات سارے نبی بیت المقدس میں اور پھر آناً فاناً آسمانوں پر موجود تھے، یہ ہے رُوحِ میت کی رفتار۔ واللہ اعلم (مرآت)

☆☆☆☆☆☆

☆ حدیث نمبر ۴۸

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهٗ الْاٰنَ يُسْئَالُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ (مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

☆ ترجمہ

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ پھر اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس سے سوالات ہو رہے ہیں۔ (ابوداؤد)

☆تشریح

ہمارے ہاں رواج ہے کہ بعد دفن فوراً واپس نہیں ہوتے بلکہ قبر کے آس پاس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں کچھ پڑھ کر بخشتے ہیں اور میت کے لئے دعا کرتے ہیں، ان سب کا ماخذ یہ حدیث پاک ہے۔ یہ تمام فعل سنت ہیں بعض جگہ بعد دفن قبر پہ اذان بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسی حدیث سے نکل سکتا ہے کہ مردے کو تلقین ہے اور اس کے اثبات قدمی کی کوشش ہے۔ حدیث شریف میں ہے لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنے مرنے والوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو۔

فرمایا میت سے سوال ہونے ہی والے ہیں کیونکہ حسابِ قبر لوگوں کے لوٹنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا سے مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کے صدقات و خیرات میت کو مفید ہیں۔ ابو امامہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں دفن کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ کہو کہ اے فلاں ابن فلاں اپنا وہ کلمہ یاد کر جسے تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا رب اللہ ہے، تیرا دین اسلام ہے، تیرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ (اشعۃ)

صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ قبر پر ختمِ قرآن کرنا مستحب ہے۔

(مرقات)

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ دفن کے بعد سرہانہ مقبر پر سورۃ بقرہ کا پہلا رکوع اور پائینتی پر آخری رکوع پڑھنا مستحب ہے۔ شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا بہت اعلیٰ ہے۔

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر اس وقت دو چار فقہی

مسائل بیان کر کے ثواب میت کو پہنچائے تو اچھا ہے۔

(اشعۃ)

☆☆☆☆☆☆

☆حدیث نمبر ۴۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

☆ترجمہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا پھر اس کی اجازت ہو گئی۔ مگر ایک گروہ نے اس سے پرہیز کیا، یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد کی پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان چیزوں سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں ان سب سے

اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف والا ہوں۔ (مسلم وبخاری)

☆ تشریح

حضور علیہ ﷺ نے کوئی مباح دینوی کام کیا جس کی وجہ سے لوگوں کے لئے مباح ہی نہیں بلکہ سنت بن گیا، حدیث پاک میں ذکر نہ ہوا کہ وہ کونسا کام تھا شائد روزے دار کے لئے بیوی کو بوسہ تھا یا سفر میں رمضان کا روزہ چھوڑنا۔ (مرقات)

ایک گروہ نے یہ سمجھ کر پرہیز کیا کہ اگرچہ جائز بھی ہے مگر اس کا نہ کرنا تقویٰ ہے۔ کیونکہ حضور علیہ ﷺ کا یہ فعل بیانِ جواز کے لئے ہے۔ (مرآت)

سرکار علیہ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں تقویٰ اور پرہیز گاری میری اطاعت میں ملے گی۔ جیسے رات کو خوفِ خدا میں رونا سنت اور عبادت ہے، ایسے ہی آرام سے سونا بھی سنت اور عبادت ہے۔ کیونکہ دونوں میرے طریقے ہیں۔ (مرآت)

شیخ سعدیؒ نے فرمایا۔

؎ خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

ترجمہ = جو پیغمبر کی سنت کے خلاف چلتا ہے وہ کبھی بھی منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتا۔

☆☆☆☆☆☆

☆ حدیث نمبر ۵۰

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَ هُمْ يَاْ بِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا

كُنَّا نَصْنَعُهٗ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّائِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنّۃ)

☆ترجمہ

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ کھجوروں کی شادی کیا کرتے تھے، فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو؟ وہ بولے ہم پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں۔ فرمایا ممکن ہے کہ تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو۔ لوگوں نے یہ شادی چھوڑ دی تو پھل کم ہوگئے۔ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ تو فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں جب تم کو کسی دینی کام کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بشر ہی ہوں (مسلم)

☆تشریح

حدیثِ پاک کے راوی رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حارثی، انصاری ہیں غزوۂ احد میں آپ کو تیر لگا تھا۔ زخم مہلک نہ ہوا بلکہ بھر گیا۔ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہ زخم پھر بہا اور اسی سے آپ کی وفات ہوئی۔ غزوۂ بدر کے بغیر (چونکہ آپ بچے تھے) آپ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

چھیاسی سال کی عمر پا کر ۳۳ ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔
اہلِ مدینہ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور میں پیوند کر دیتے تھے۔ جس سے پھل
زیادہ اور اچھے ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں اسے درخت یا باغ کی شادی کہا جاتا ہے۔ اس
موقعہ پر باغ والے بڑی خوشی مناتے ہیں۔

درختوں میں بھی نر اور مادہ ہیں بعض لوگ جانتے ہیں بعض کو معلوم نہیں ہے
نر درخت سے جب ہوا مس ہو کر مادہ سے لگتی ہے تو اس سے پھل آتے ہیں
(مرآت)

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے کھجور کا
درخت پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں نر مادہ کا اجتماع ضروری ہے۔

سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس شادی سے اس لئے منع فرمایا کہ تم اس
مشقت سے بچ جاؤ اور پھل بھی جو مقدر میں ہیں ملیں اور تمہیں توکل کا درجہ نصیب
ہو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ جلد ہی شکایت کر دی
اگر توکل کر کے کچھ روز نقصان برداشت کرتے تو بڑی برکت دیکھتے۔ حضور ﷺ کی
رائے بھی بڑی مبارک ہے۔ خیال رہے کہ حضور باغ کے اس رمز سے بے خبر نہ تھے
بلکہ انہیں توکل کا سبق دیا تھا۔ بے خبری کیسے ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اَعْلَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باغ والے تو اس چیز کو
جانیں اور حضور ﷺ اس بات کو نہ جانیں۔ یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی
، مگر بادشاہ مصر سے فرمایا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖ گندم بھوسہ سے
الگ نہ کرو تاکہ خراب نہ ہو اور قحط میں کام آئے نیز آپ نے کبھی بادشاہی نہ کی تھی
مگر بادشاہِ مصر سے فرمایا کہ مجھے خزانوں کا حاکم بنا دے۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ میں

سب کچھ جانتا ہوں سب قحط والوں کو سنبھال لونگا۔ جب یوسف علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو ہمارے حضور ﷺ اس معمولی بات سے کیسے بے خبر ہو سکتے ہیں۔

حضور ﷺ کے فرمان دو قسم کے ہیں شرعی احکام اور دینوی رائے شریف، شرعی احکام لازم العمل ہیں کیونکہ وہاں نبوّت اور نورانیت کا لحاظ ہے مگر رائے مبارک کا قبول کرنا مستحب ہے، نہ ماننے کا بھی اختیار ہے۔ لیکن بُرا یا حقیر جاننا کفر ہوگا یہی اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے۔ اور اس حدیث شریف کا مطلب بھی یہی ہے، کہ میرا کلام قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتا یعنی رائے اور مشورے کیونکہ رائے میں حضور ﷺ کی بشریت کی جلوہ گری ہے۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کا اپنے آپ کو بشر فرمانا آپ کا کمال ہے۔ اگر ہم یہ لفظ اہانت یا برابری کے دعوئی سے کہیں تو کافر ہو جائیں گے شیطان نبی کی حقارت کرکے اور انہیں بشر کہہ کر ہی تو کافر ہوا اور کہا۔

مَا کُنْتُ لِاَ سْجُدَ لِبَشَرٍ - (ترجمہ - میں ایسا نہیں ہوں کہ کسی بشر کو سجدہ کروں۔)

یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظالم کہا اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کوئی اور شخص نبی کو ظالم کہے تو خود ظالم ہو جائے۔ بادشاہ اگر کہے میں آپ کا خادم ہوں تو یہ اس کا کمال ہے۔ لیکن کوئی اور کہے تو سزا پائے۔

خیال رہے کہ حکم اور مشورے کا فرق قرآن کریم میں موجود ہے،

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) یہ وہ حکم ہے جس کا تارک گنہگار ہے۔ اور فرماتا ہے۔

اِذَا تَدَا یَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (جب کسی کو وقت مقرر تک قرض دو تو لکھ لو) یہ قرآن کا مشورہ ہے جس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں۔ دنیاوی

سلاطین بھی اپنی رعایا کو کبھی حکم دیتے ہیں اور کبھی مشورہ۔ ادو مر قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قدرت کا ظہور ہے اور اس کے مشوروں میں رب کی رحمانیت کی جلوہ گری ہے۔

واللہ اعلم (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۵۱

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَ عَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ وَ اَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ قَالَ وَ سَیَکُوْنُ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ رَوَاہُ التِّرْمَذِیْ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو پاک (حلال) کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے فتنوں سے

محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا- ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آج کل بہت سے ایسے لوگ ہیں- فرمایا میرے بعد والے زمانوں میں بھی ہوں گے-

(ترمذی)

☆ تشریح

یہ حدیث درستی عبادات اور معاملات کی جامع ہے دو لفظوں میں دونوں جہاں سنبھال دیے گئے- فِیْ سُنَّۃٍ میں اشارتاً بتایا گیا کہ کسی بھی سنت کو معمولی نہ سمجھا جائے- حتی کہ بیٹھ کر پانی پینا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا- کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے- اَمِنَ فرما کر بتایا کہ مسلمان کے اخلاق ایسے پاکیزہ ہوں کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے امن ہو، کہ یہ تکلیف نہیں پہنچاتا یعنی اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا-

فرمانِ رسول ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ میرے فیضان صرف اس زمانہ سے ہی خاص نہیں بلکہ تاقیامت میری امت میں ایسے پرہیزگار ہوتے رہیں گے- انشاء اللہ یہ امت نیکیوں سے خالی نہیں ہوگی- ہاں جس قدر زمانہ دور ہوگا ایسے لوگ کم ہونگے الحمد للہ حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی بالکل درست ہوئی- اب بھی ان اوصاف سے بھرے ہوئے مخلص لوگ موجود ہیں اور رہیں گے-

☆ حدیث نمبر ۵۲

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ

بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَاْتِيْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنّۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ جو احکامِ شریعۃ کا دسواں حصہ چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہو جائے، پھر وہ زمانہ آئے گا کہ جو احکام کے دسویں حصے پر عمل کر کے نجات پائے گا۔ (ترمذی)

☆تشریح

یہاں احکام سے مراد تبلیغ اور سنن نوافل وغیرہ ہیں نہ کہ فرائض وواجبات یعنی آج چونکہ تبلیغ اور ساری نیکیوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں اب کچھ بھی چھوڑنا اپنا قصور ہے۔ آخر زمانہ میں رکاوٹیں بہت ہونگی اس وقت آج کے لحاظ سے دسویں حصہ پر عمل کرنا بھی بہت بڑی بہادری اور اجر و ثواب ہوگا۔

لہٰذا حدیث پاک پر یہ اعتراض نہیں کہ اب ایک ہی نماز اور ہزارواں حصہ زکوٰۃ اور رمضان کے تین روزے کافی ہیں۔ یا یہ مناسبت مجموعی احکام کے لحاظ سے ہے چنانچہ آج اسلامی جہاد، قضاء کے احکام پر پورا عمل ناممکن ہے۔ ہم چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے، زانی کو سنگسار نہیں کر سکتے وغیرہ۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۵۳

وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِھِمْ شَیْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہدایت کی طرف بلائے اس کو تمام عاملین کی طرح ثواب ملے گا اور اس سے ان کے اپنے ثوابوں میں کمی نہ ہوگی اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا۔ (مسلم)

☆تشریح

یہ حکم نبی کریم ﷺ اور ان کے صدقہ سے تمام صحابہ، آئمہ، مجتہدین علماء متقدمین و آخرین سب کو شامل ہے۔ مثلاً اگر کسی کی تبلیغ سے ایک لاکھ نمازی بنیں تو اس مبلغ کو ہر وقت ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا اور اجر، قیامت کے دن

ملے گا اور ان نمازیوں کو بھی اپنی اپنی نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ثواب مخلوق کے اندازے سے وراء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ (اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے) اسی طرح وہ مصنفین جن کی کتابوں سے لوگ ہدایت پا رہے ہیں قیامت تک لاکھوں کا ثواب انہیں پہنچتا رہے گا۔

یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرے) کیونکہ یہ ثوابوں کی زیادتی اس کے عملِ تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

حدیث پاک کا دوسرا حصہ جس میں گمراہیوں کے مؤجدین، مبلغین سب شامل ہیں تا قیامت ان کو لاکھوں گناہ ہر وقت پہنچتے رہیں گے۔ یہ حدیث مبارک اس آیت کے خلاف نہیں وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ (اور اس پر وہی (نقصان) ہے جو اس نے (برائی) کمائی) کیونکہ یہ اس کے اپنے فعل یعنی تبلیغِ شر کی سزا ہے کہ مسلمانوں کو نیکی سے دور رکھنے کا سبب بنا۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۵۴

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَ یُعَلِّمُهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کے سوا کسی میں رشک جائز نہیں ایک وہ شخص جسے اللہ مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگادے دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے۔ (بخاری و مسلم)

☆تشریح

کسی نعمت والے پر جلنا، اس کی نعمتوں کا زوال اور اپنے لئے حصول چاہنا حسد ہے، جو بہت بڑا عیب ہے، جس سے شیطان مارا گیا مگر دوسروں کی سی نعمت اپنے لئے بھی چاہنا غبطہ (رشک) ہے۔ حسد مطلقاً حرام ہے، غبطہ (رشک) دو جگہ جائز ہے۔ یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔ ایسا مالدار سخی جسے خدا اچھے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دے، ایسا ہی بافیض عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ اٹھائیں قابلِ رشک ہے۔ سبحان اللہ بعض علماء کے علم اور بعض سخیوں کے مال سے لوگ تا قیامت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین

انشاءاللہ نیکی کی تمنا کرنے والا قیامت میں نیکوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

(مرآت)

شارح بخاری سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں کہ رشک اگر نیک باتوں پر کیا

جائے تو یہ محمود ہے اور اگر رشک معصیّت اور برائیوں پر کیا جائے تو یہ مذموم ہے اور امرِ مباح میں رشک کرنا مباح جبکہ حسد حرام ہے۔ حسد کے معنی یہ ہیں کہ کسی میں کوئی خوبی دیکھی اچھی لگی تو اب دل میں یہ تمنا ہو کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے بلکہ مجھے مل جائے۔ (فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۵۵

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَۃٍ مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْا لَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے عمل بھی ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے۔ ایک دائمی خیرات یا وہ علم جس سے نفع پہنچتا رہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے لیے دعائے خیر کرتا رہے۔ (مسلم)

☆ تشریح

انسان سے مراد مسلمان ہے عمل سے مراد نیکیوں کا ثواب ہے، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مقبول افراد قبر میں نماز و قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے- کیونکہ ان اعمال پر ثواب نہیں اسی واسطے مُردے زندوں سے ثواب بخشنے کی تمنا کرتے ہیں جیسا کہ روایت میں ہے، کیونکہ ثواب زندگی کے اعمال پر ہے- مرنے کے بعد نہیں-

صدقہ جاریہ ، نافع علم اور نیک بچہ جو والدین کے لئے دعا کرتا رہے یہ وہ تین چیزیں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد خواہ مخواہ پہنچتا رہتا ہے- کوئی ایصال ثواب کرے یا نہ کرے- صدقہ جاریہ سے مراد اوقاف ہیں- جیسے مسجدیں مدرسے وقف کئے ہوئے یا باغ جن سے لوگ نفع اٹھاتے رہتے ہیں- ایسے ہی علم سے مراد دینی تصانیف نیک شاگرد جن سے دینی فیضان پہنچتے رہیں نیک اولاد سے مراد عالم و عامل بیٹا ہے-

صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ یَدْعُوْا کی قید ترغیبی ہے یعنی بیٹے کو چاہئے کہ باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے حتیٰ کہ نماز میں ماں باپ کو دعائیں پہلے دے، سلام بعد میں پھیرے، ورنہ اگر نیک بیٹا دعا نہ بھی کرے والدین کو ثواب ملتا رہے گا- (مرقات)

خیال رہے یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ جو اسلام میں اچھے طریقے ایجاد کرے اسے قیامت تک ثواب ملتا رہے گا یا فرمایا گیا کہ نمازی کو ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے- کیونکہ وہ سب چیزیں صدقہ جاریہ ہیں یا نافع علم میں داخل

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ٥٦

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من نفس عن مؤمن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیمۃ ومن یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ فی الدنیا والاخرۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ ومن سلک طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ بہ طریقا الی الجنۃ وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ ومن بطاء بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ رواہ مسلم

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جو کسی مسلمان کو دنیاوی تکلیف سے رہائی دے تو اللہ اس سے روزِ قیامت کی مصیبت دور کردے گا۔اور جو کسی تنگی والے پر آسانی کرے اللہ دین و دنیا میں اس پر آسانی فرمائے گا اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ دین و دنیا میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد پر رہے۔اور جو کوئی تلاشِ علم میں راستہ طے کرے تو اس کی برکت سے اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کردے گا اور کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن پڑھنے اور آپس میں قرآن سیکھنے سکھانے کے لئے نہیں جمع ہوتی مگران پر دل کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ اور فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہے۔ جسے عمل پیچھے کردے اسے نسب نہیں بڑھا سکتا۔

(مسلم)

☆ تشریح

تم کسی کی فانی مصیبت دور کرو اللہ تم سے باقی مصیبت دور فرمائے گا۔ تم مومن کو فانی آرام پہنچاؤ ، اللہ تمہیں اخری آرام دے گا۔ کیونکہ بدلہ احسان کا احسان ہے۔ یہ حدیث بہت جامع ہے کسی مسلمان کے پاؤں سے کانٹا نکالنا بھی ضائع نہیں جاتا ، حدیثِ پاک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف قیامت ہی میں بدلہ ملے گا۔ بلکہ قیامت میں تو بدلہ ضرور ملے گا اگرچہ کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔

جو مقروض کو معافی یا مہلت دے غریب کی غربت دور کرے تو انشاء اللہ دین و دنیا میں اس کی مشکلیں آسان ہونگی۔ (مرآت)

صاحب مرقات نے فرمایا کہ اس حکم میں مومن کافر سب شامل ہیں۔ کافر مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنے پر بھی ثواب مل جاتا ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک رنڈی نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تو اللہ نے اسے بھی بخش دیا۔ یہ فیض عام سب کو حاصل ہے۔ (مرقات)

پردہ پوشی یا تو اس طرح کہ ننگے کو کپڑے پہنائے یا ایسے کہ اس کے چھپے ہوئے عیب ظاہر نہ کرے بشر طیکہ اس ظاہر نہ کرنے سے دین یا قوم کا نقصان نہ ہو، ورنہ ضرور ظاہر کر دے کفار کے جاسوسوں کو پکڑوائے، خفیہ سازشیں کرنے والوں کے راز طشت ازبام کرے، ظلماً قتل کی تدبیر کرنے کی مظلوم کو خبر دے دے۔ اخلاق اور ہیں معاملات اور سیاسیات کچھ اور ہیں۔

اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک وہ بھائی کی مدد میں رہے۔ یہ الفاظ بہت جامع ہیں جن میں دین و دنیا کی ساری امدادیں شامل ہیں، امداد بدن سے ہو یا علم و مال سے ہو۔

جو شخص علم دین سیکھنے یا دینی فتویٰ حاصل کرنے کے لئے عالم کے گھر سفر کر کے جائے یا چند قدم چلے، تو اس کی برکت سے اللہ دنیا میں اس پر جنت کے کام آسان کرے گا۔ مرتے وقت ایمان نصیب کرے گا۔ قبر و حشر کے حساب میں کامیابی اور پل صراط پر آسانی عطا فرمائے گا۔ جنت کے راستے میں سب چیزیں داخل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم کے لئے سفر کرنا ثواب کا کام ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے خضر علیہ السلام کے پاس سفر کر کے گئے۔ (مرآت)

حضرت جابرؓ ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کا سفر طے کر کے عبد اللہؓ بن قیس کے پاس پہنچے۔ (مرقات)

اللہ کے گھر سے مراد مسجدیں، دینی مدرسے اور صوفیاء کی خانقاہیں ہیں جو اللہ کے ذکر کے لئے وقف ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے اس سے خارج ہیں کہ وہاں تو مسلمان کو بلا ضرورت جانا ہی منع ہے۔ درسِ قرآن سے مراد قرآن پاک کی تلاوت، تجوید کے احکام سیکھنا ہیں۔ لہٰذا اس میں صرف و نحو، فقہ و حدیث، تفسیر وغیرہ کے درس شامل ہیں۔ اسی لئے تلاوت کے بعد درس کا الگ ذکر فرمایا۔

سکینہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کے اترنے سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔ کبھی ابر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھی بھی جاتی ہے۔ اس کی برکت سے دل سے غیر خدا کا خوف جاتا رہتا ہے۔ رحمت سے خاص رحمت مراد ہے جو بوقت ذکر ذاکر کو ہر طرف سے گھیرتی ہے اور فرشتوں سے سیاحین فرشتے مراد ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ورنہ اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جہاں مجمع میں ذکر اللہ ہو رہا ہو وہاں یہ تین رحمتیں اترتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا ذکر سے جماعت کا مل کر ذکر کرنا افضل ہے۔ جماعت کی نماز کا درجہ زیادہ کہ اگر ایک کی قبول تو سب کی قبول

ایک حدیثِ پاک میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو اللہ کو اکیلے یاد کرے تو رب بھی ایسے ہی یاد کرتا ہے۔ جو جماعت میں یاد کرے رب اسے فرشتوں میں یاد کرتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) اس رب کی یاد کا اثر یہ پڑتا ہے کہ مخلوق اس بندے کو یاد کرنے لگتی ہے۔ بزرگوں

کے مزارات پر زائرین کا ہجوم وہاں ذکرِ اللہ کی دھوم دھام اسی یاد کا نتیجہ ہے۔
نسب کی شرافت عمل کی کمی کو پورا نہ کرے گی۔

؎ بندۂ عشق شُدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں لن فلاں چیزے نیست

ترجمہ = جامی جب تم عشق کے بندے ہو گئے تو نسب ختم ہو گیا کیونکہ اس راہ فلاں ابن فلاں کی کوئی حقیقت نہیں۔

کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتے، بلیوں کی جگہ تو تھی مگر ان کے کافر بیٹے کنعان کے لئے جگہ نہ تھی۔ مقصد یہ ہے کہ شریف الحسب اعمال سے لاپرواہ نہ ہو جائیں، یہ منشاء نہیں کہ شرافتِ نسب کوئی چیز ہی نہیں۔ مومن کو نسب الرسول ﷺ ضرور فائدہ دے گا۔ تمام دنیا کی عورتیں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے قدم پاک کو نہیں پہنچ سکتیں۔ رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا۔

اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ (بے شک میں نے اس زمانہ کے سب لوگوں پر تمہیں فضیلت دی) بنی اسرائیل کے تمام عالم پر افضل ہونے کی یہی وجہ تھی کہ وہ اولاد انبیاءؑ ہیں۔

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۵۷

عَنْ کَثِیْرِ ابْنِ قَیْسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ فِیْ مَسْجِدِ دِمِشْقَ فَجَاءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَا اَبَا

لدَّرْدَاءِؓ اِنِّیْ جِئْتُکَ مِنْ مَدِیْنَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِیْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَائِکَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَسَمَّاهُ التِّرْمِذِیُّ قَیْسَ بْنَ کَثِیْرٍ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

کثیر ابن قیس سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابودرداءؓ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ آپؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور بولا کہ اے ابودرداء میں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے

لئے آیا ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ آپؓ حضور علیہ السلام سے وہ روایت فرماتے ہیں، میں اس کے سوا اور کسی کام کے لئے نہیں آیا- آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور رسول کریم علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ جو تلاشِ علم کرتے ہوئے کوئی راہ طے کرے تو اللہ اسے بہشت کے راہوں میں سے کسی ایک راہ پر چلائے گا- اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے پر بچھاتے ہیں ، یقیناً عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں ، اور عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں رات میں چاند کی فضیلت، سارے تاروں پر اور علماء نبیوں کے وارث ہیں- پیغمبروں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہ بنایا- انہوں نے صرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ لیا-

(احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، ترمذی نے ان کا نام قیس ابن کثیر بتایا)

☆ تشریح

دمشق شام کا دار الخلافہ ہے کثیر ابن قیس تابعی ہیں اور حضرت ابو درداءؓ کے صحبت یافتہ ہیں-

ظاہر یہ ہے کہ اس طالب علم نے متنِ حدیث سن لیا تھا، اس شوق میں یہاں آئے کہ صحابی کے منہ سے سنوں تاکہ برکت اور زیادتیٔ یقین حاصل ہو- یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے متنِ حدیث نہیں سنا تھا- اجمالاً پتہ لگا تھا کہ حضرت ابو درداءؓ فلاں بارے میں حدیث بیان فرماتے ہیں ، چونکہ مدینہ کے معنیٰ مطلقاً شہر کے ہیں اس لئے مدینۃ الرسول فرمایا یعنی میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں، اس سے دو مسئلے

معلوم ہوئے ایک یہ کہ طلبِ علم کے لئے سفر بزرگوں کی بلکہ نبیوں کی سنت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طلبِ علم کے لئے بہت دور دراز سفر کر کے خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے، دوسرا یہ کہ نبی ﷺ کو فقط الرسول کہہ سکتے ہیں جبکہ علامت سے معلوم ہوا کہ یہاں حضور ﷺ مراد ہیں۔ ربِ تعالیٰ فرماتا ہے -

يَاَ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ (اے رسول ﷺ) اور فرماتا ہے وَ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ اور جس نے رسول ؐ کی اطاعت کی) اسے ناجائز کہنا بے دلیل ہے۔

اس آدمی نے کہا کہ میں نے سوائے حدیث سننے کے اور کسی دینی دنیاوی غرض کے لئے سفر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ملاقات، زیارتِ قبور کے لئے سفر جائز ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ حدیث نہیں ہے جس کے سننے کے لئے وہ صاحب حاضر ہوئے تھے بلکہ ان کی ہمت افزائی اور ان کے سفر کی قبولیت کی بشارت کے لئے یہ حدیث سنائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھنے، علم پڑھنے، یا حدیث سننے وغیرہ کے لئے سفر کر کے یا بغیر سفر تھوڑا راستہ طے کر کے جائے تو اسے دنیا میں نیک اعمال کی توفیق ملے گی جو جنت ملنے کا سبب ہیں یا آخرت میں پل صراط پر گذر آسان ہوگی اور جنت میں آرام سے پہنچے گا۔ امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ علم دین کی طلب نفلی نماز سے افضل ہے کہ یہ فرض ہے اور وہ نفل۔ (مرقات)

جب طالب علم، علم میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا کلام سننے کے لئے ملائکہ نیچے اتر آتے ہیں اور گفتگو سنتے ہیں۔ جیسے تلاوتِ قرآن کے موقع پر یا قیامت میں طالب علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھائیں گے۔ یا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے لئے فرشتے نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی مشقتوں کو آسان کرتے ہیں۔

علمائے دین کے لئے چاند سورج تارے آسمانی فرشتے، زمین کے ذرے، سبزیوں کے پتے اور بعض جن وانس اور تمام دریائی جانور مچھلیاں وغیرہ دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ علمائے دین کی وجہ سے دین باقی ہے اور دین کی بقا سے عالم قائم ہے، علماء کی ہی برکتوں سے بارشیں ہوتی ہیں اور مخلوق کو رزق ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ يُرْزَقُوْنَ (ان کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے) علماء کے اٹھنے سے اسلام اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی، علماء، دین کا تعویذ ہیں۔ (مرقات واشعۃ)

علماء میں علمائے شریعت اور علمائے طریقت بھی داخل ہیں۔ بلکہ کوئی شخص علم کے بغیر ولی اللہ نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ جاہلوں کو ولی نہیں بناتا فرمان باری ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (بے شک علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں حدیث پاک میں عالم سے مراد وہ عالم ہے جو صرف ضروری اعمال پر قناعت کرے اور بجائے نوافل کے علمی خدمات انجام دے۔ عابد سے وہ شخص مراد ہے جو صرف اپنے ضروری مسائل سے واقف ہو اور اپنے اوقات نوافل میں گذارے۔ بے دین اور فاسق عالم اور نرا جاہل عابد اس گفتگو سے خارج ہیں۔ خیال رہے کہ چاند آفتاب سے نور لے کر رات میں سارے عالم کو جگمگا دیتا ہے۔ ایسے ہی عالم نبی اکرم ﷺ سے فیض لے کر دینی روشنی پھیلا دیتے ہیں تارے خود نور ہیں مگر چاند نور بخشنے والا، عابد اپنے لئے اور علماء عالم کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ عابد اپنی کملی بچاتا ہے عالم طوفان سے لوگوں کا جہاز نکال لے جاتا ہے۔ لازم سے متعدی افضل۔

سبحان اللہ جب انبیاء مورث اتنے اعلیٰ ہوں تو وارث کیسے شاندار ہونگے۔

صاحب مرقات نے فرمایا کہ علمائے مجتہدین رسولوں کے وارث ہیں اور

علمائے خیر مجتہدین نبیوں کے - لفظ علماء وانبیاء ان دونوں کو شامل ہے - علمائے اسلام حضور علیہ السلام کے وارث ہیں اور چونکہ حضور علیہ السلام تمام نبیوں کی صفات کے جامع ہیں لہذا علماء سارے انبیاء کے وارث ہیں۔ (مرقات)

بعض انبیاء تارک الدنیا تھے، جنہوں نے کچھ جمع نہ کیا، جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور بعض نے بہت مال رکھا - جیسے حضرت سلیمان و حضرت داؤد علیہم السلام لیکن کسی نبی کی مالی میراث نہ بٹتی - ان کا چھوڑا ہوا مال دین کے لئے وقف ہوتا ہے اور تا قیامت علماء ان کے وارث - اسی لئے علماء کو وارثین انبیاء کہا جاتا ہے۔ (مرآت)

شارح مسلم اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ علماء کو ہی وارثِ کتاب بنایا گیا اور انہی کو جنت کی عظیم بشارت دی گئی ہے - اور یہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ کی عظیم اصل اور علماء کی بہت بڑی فضیلت ہے - نیز حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رات کی ایک گھڑی میں علم حاصل کرنا ساری رات جاگنے سے افضل ہے۔

ابو جعفرؒ نے کہا کہ شیطان کے نزدیک ایک عالم کی موت ستر (۷۰) عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے - حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نیکی کے معلّم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے - حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔

(شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۵۸

وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْاَزْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃً لِمَا مَضٰی رَوَاہُ التِّرْمَذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمَذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ ضَعِیْفُ الْاَسْنَادِ وَاَبُوْدَاؤُدَ الرَّاوِیُ یُضَعَّفُ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت سخبرہ ازدیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے تلاش علم کی تو یہ تلاش اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو گی۔

(ترمذی، ابو داؤد اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے، راوی ابو داؤد کو ضعیف کہا گیا)

☆تشریح

حدیث پاک کے راوی سخبرہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے ازد بن غوث کی اولاد سے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں اور آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے (مرآت)

طالب علم کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسے وضو نماز وغیرہ، عبادات سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب علم جو چاہے گناہ کرے یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیت خیر سے علم طلب کرنے والوں کو گناہوں سے بچنے اور گذشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۵۹

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَہَاہُ الْجَنَّۃَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن خیر کی سننے سے کبھی سیر نہ ہوگا، یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہو جائے۔

(ترمذی)

☆ تشریح

علم دین کی حرص ایمان کی علامت ہے، جتنا ایمان قوی اتنی ہی یہ حرص زیادہ۔ بڑے بڑے علماء علم پر قناعت نہیں کرتے۔ صوفیاء فرماتے ہیں

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ یعنی گہوارے سے قبر تک علم سیکھو۔

اس حدیث پاک میں علم کے حریص کو جنت کی بشارت ہے۔ انشاء اللہ علم دین کا متلاشی مرتے ہی جنتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمہ کی خبر نہیں سواء

عالم دین کے کہ ان کے لئے حضور ﷺ نے وعدہ فرمالیا کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے علم دین دیتا ہے۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۶۰

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے میری دانست میں وہ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں، فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو برس پر ایک مجدّد بھیجتا رہے گا، جو ان کا دین تازہ کرے گا۔ (ابو داؤد)

☆ تشریح

فِیْمَا اَعْلَمُ یہ کلام کسی نیچے کے راوی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابو ہرہؓ نے یہ حدیث حضور ﷺ سے روایت کی، ان کا خود اپنا قول نہیں۔

اس امت کی خصوصیت یہ ہے کہ یوں تو اس میں ہمیشہ ہی علماء اور اولیاء

ہوتے رہیں گے۔ لیکن ہر صدی کے اول یا آخر میں خصوصی مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے ، جو سنتوں کو پھیلائیں گے بدعتوں کو مٹائیں گے ، غلط تاویلوں کو دور کریں گے ۔ صحیح تبلیغ کریں گے ۔ اس حدیث کی بناء پر بہت لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجدّد گنائے ہیں کہ پہلی صدی میں فلاں دوسری میں فلاں ، بہت سے مفسدوں نے بھی اپنے آپ کو مجدّد کہا ۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مجدّد ہی بنا تھا پھر نبی ۔ حق یہ ہے کہ اس سے نہ کوئی خاص شخص مراد ہے نہ کوئی خاص جماعت ۔ کبھی اسلامی بادشاہ کبھی محدّثین کبھی فقہا کبھی صوفیاء کبھی اغنیاء کبھی بعض حکامِ دین کی تجدید کریں گے ۔ کبھی ایک کبھی ان کی جماعتیں جو دین کی یہ خصوصی خدمت کرے وہی مجدّد ہے ۔ جیسے ایک زمانہ میں حضرت سلطان محی الدین اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسلام سے اکبری بدعات کو دور کیا اور جیسے قطب الوقت حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا پھر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ، کہ انہوں نے اپنی زبان اور قلم سے حق وباطل کو چھانٹ کر رکھ دیا ۔

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۶۱ ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَ حَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَ نَشَرَهٗ وَ وَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ

مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَّالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَ حَيٰوتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اعمال و نیکیاں مومن کو موت کے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جسے سیکھا گیا اور پھیلایا گیا اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا، یا قرآن پاک جس کا وارث بنا گیا۔ یا مسجد یا مسافر خانہ جو بنا گیا یا نہر جو جاری کر گیا یا خیرات جسے اپنے مال سے اپنی تندرستی و زندگی میں نکال گیا۔ یہ چیزیں اسے مرنے کے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں۔

(ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

☆تشریح

وہ علم جسے سیکھا گیا یا پھیلایا گیا خواہ زبان سے یا قلم سے کہ اپنے کامل شاگرد اور بہترین تصنیفات چھوڑیں، جب تک مسلمان ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اسے ثواب پہنچتا رہے گا۔

اولاد کو خواہ نیک بنا کر گیا یا اس کے مرنے کے بعد نیک ہو گئی دونوں صورتوں میں ثواب پہنچتا رہے گا- اسی طرح قرآنِ پاک اپنے ہاتھ سے لکھ کر یا خرید کر چھوڑ گیا اسی حکم میں دینی کتب بھی شامل ہیں-

مدرسہ یا مسافر خانہ اپنی کوشش سے یا اپنے پیسہ سے یا اپنے ہاتھ سے اسی حکم میں مدرسے اور خانقاہیں بھی ہیں-

اپنے مال سے تندرستی و زندگی میں صدقہ نکال گیا- اس میں تندرستی کی اس لئے قید لگائی گئی کہ مرض الموت میں خیرات کرنے کا آدھا ثواب ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو مال کی حاجت نہیں رہتی- اس میں تمام صدقہ جاریہ آگئے جیسے کوئیں کھدوانا، نلکے لگوانا، ہسپتال بنوانا وغیرہ-

یہ تمام چیزیں اسے مرنے کے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں، بعض کا ثواب تا قیامت اور بعض کا ثواب اس سے کم پہنچتا ہے- جس قدر صدقہ کا بقا اسی قدر اس کا اجر

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ٦٢

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اَحْيَائِهَا رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رات میں ایک گھڑی علم کا درس ، تمام رات بیداری سے افضل ہے۔ (دارمی)

☆تشریح

جس طرح رات میں کچھ دیر علم کا مشغلہ ، تمام رات سے افضل ہے اسی طرح دن میں کچھ دیر علم کا درس تمام دن کی عبادت سے افضل ہے۔ عبادت سے نفلی عبادت مراد ہے ، یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑ کر علم سیکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالمِ دین کی نیند بھی عبادت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن سے فقہ سیکھنا افضل ہے۔ ان دونوں کا ماخذ یہ حدیثِ مبارکہ ہے۔ عالم تھوڑی عبادت پر جاہل کی بڑی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت مفتی احمد یار خان گجراتی شرح مشکوٰۃ میں ایک لطیفہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک بزرگ پٹنہ سے حج بیت اللہ کے لئے پیدل چلے اور ہر پانچ قدم پر دو نفل پڑھتے چلے دس سال میں گجرات پہنچے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر ہوائی جہاز سے آپ مکّہ معظمہ پہنچ جاتے اور اتنے نوافل وہاں پڑھتے تو ہر رکعت پر ایک لاکھ رکعت کا ثواب پاتے۔

(مرآت)

☆حدیث نمبر ۶۳

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُ هُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَآءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَآءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَآءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گذرے تو فرمایا یہ دونوں بھلائی پر ہیں، مگر ایک مجلس دوسری مجلس سے بہتر ہے۔ لیکن یہ لوگ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اس کی طرف راغب ہیں اگر چاہے انہیں دے چاہے نہ دے لیکن وہ لوگ جو فقہ وعلم سیکھ رہے ہیں، ناواقفوں کو سکھا رہے ہیں وہ افضل ہیں ۔ میں بے شک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر آپؐ ان میں ہی تشریف فرما ہوئے۔ یعنی علماء کی مجلس میں۔

☆تشریح

مسجد نبویؐ شریف میں صحابہ کی دو جماعتیں دو گوشوں میں تھیں۔ ایک گوشہ

میں ایک جماعت نوافل و تلاوت وغیرہ عبادت کر رہی تھی، دوسرے گوشہ میں دوسری جماعت علمی گفتگو اور سیکھے ہوئے سبق کی تکرار کر رہی تھی۔

فرمایا مجلس علم، مجلس عبادت سے افضل ہے۔ یعنی عابدوں کی محنت اپنی ذات کے لئے ہے، جس کی قبولیت اور ثواب یقینی نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔اس نے ان چیزوں کا وعدہ نہیں فرمایا ،اس حدیث میں معتزلہ کا کھلا رد ہے۔ جو عبادت کا ثواب واجب اور ضروری جانتے ہیں - خیال رہے آیت کریمہ

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھے پکارو میں جواب دونگا۔ یا تم مجھ سے دعا کرو ثواب دونگا، قبولیت دعا کا وعدہ نہیں۔

علم سکھانے والے افضل ہیں کیونکہ اپنے لئے کچھ نہیں مانگتے بلکہ دین پھیلا رہے ہیں ان کی خدمت یقینی قابل قدر ہے۔یاد رہے بے عمل علم اس اندھے چراغ والے کی طرح ہے جو اپنے چراغ سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے مگر لوگ فائدہ اٹھالیں۔لیکن غیر مقبول عبادت بالکل ہی بیکار ہے جس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے بیمار طبیب اوروں کا علاج کردے۔

سبحان اللہ مجلس علم کیسی بابرکت ہے۔اب بھی سرکار علماء ہی میں تشریف فرما رہتے ہیں انہیں مجلس علم میں ڈھونڈو۔خیال رہے حضور علیہ السلام اگرچہ اول درجہ کے عابد بھی ہیں لیکن حضور علیہ السلام کی عبادت عملی تعلیم ہے لہٰذا آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی معلم ہیں، اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا اصل مقصد تعلیم ہے۔رب فرماتا ہے - وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (اور آپ علیہ السلام انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں)

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ٦٤

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدُّ الْعِلْمِ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ کَانَ فَقِیْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا وَّ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَافِعًا وَّ شَهِیْدًا رَوَاهُ الْبَیْهَقِیْ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَان وَقَالَ قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ هٰذَا مَتْنٌ مَشْهُوْرٌ فِیْمَا بَیْنَ النَّاسِ وَ لَیْسَ لَهٗ اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے، جہاں انسان پہنچے تو عالم ہو، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیثیں حفظ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے فقیہہ اٹھائے گا۔ اور روز قیامت میں اس کا شفیع اور گواہ ہونگا۔ (بیہقی فی شعب الایمان اور فرمایا کہ امام احمد نے فرمایا کہ لوگوں میں اس کا متن مشہور ہے، لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں)

☆ تشریح

اس حدیث کے بہت سے پہلو ہیں چالیس احادیث یاد کر کے مسلمانوں کو سنانا، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا، ترجمہ یا تشریح کر کے لوگوں کو سمجھانا، راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا سب ہی اس میں داخل ہیں۔ یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس احادیث میری امت تک پہنچا دے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقویٰ کی خصوصی گواہی دونگا، ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہی ہوگی۔ اسی حدیث کی بناء پر قریباً تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں الگ چہل احادیث جسے اربعینیہ کہتے ہیں جمع کیں۔

امام نووی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اربعینیات مشہور ہیں۔ مولانا مفتی احمدیار خاں نعیمیؒ نے بھی سلطنت مصطفیٰ میں چالیس حدیثیں جمع کیں۔

امام نوویؒ نے اپنی چہل احادیث میں فرمایا کہ ابو الدرداءؓ کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے، جو ساری ضعیف ہیں مگر اسنادوں کی کثرت اور علماء کے قبول کر لینے کی وجہ سے حدیث قوی ہوگئی، کیونکہ تعدد اسناد سے ضعیف حسن بن جاتی ہے، نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے۔ (مرقات واشعۃ)

☆ حدیث نمبر ٦٥

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمَ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَ لٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ

جَعَلَ الْھُمُوْمَ ھَمًّا وَّاحِدًا ھَمَّ اٰخِرَتِہٖ کَفَاہُ اللّٰہُ ھَمَّ دُنْیَاہُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِہِ الْھُمُوْمُ اَحْوَالُ الدُّنْیَا لَمْ یُبَالِ اللّٰہُ فِیْ اَیِّ اَوْدِیَتِھَا ھَلَکَ رَوَاہُ اِبْنِ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیْ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اگر علماء علم محفوظ رکھتے اور اسے اہل ہی پر پیش کرتے تو اس کی برکت سے اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوتے، مگر انہوں نے علم دنیاداروں کے لئے خرچ کیا تاکہ اس سے ان کی دنیا کمائیں اس سے وہ ان پر ہلکے ہو گئے۔ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو تمام غموں کو ایک آخرت کا غم بنالے اللہ اسے دنیا کے غموں سے کافی ہوگا۔اور جسے دنیا کے غم ہر طرف لئے پھریں تو اللہ اس کی پرواہ بھی نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں ہلاک ہوا۔

(ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان عن ابن عمر)

☆تشریح

عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر علماء علم کو ذلت اور اہانت سے بچاتے اس طرح کہ خود طمع اور لالچ میں دنیاداروں کے دروازے پر جھکے نہ کھاتے کہ عالم کی ذلت

سے علم کی ذلت ہے، اور علم کی بے حرمتی دین کی ذلت ہے۔ علماء اگر علم قدر دانوں اور شریف الطبع لوگوں کو سکھاتے تو سردار ہوتے۔ اس طرح کہ بادشاہ ان کے قدموں کے نیچے اور ان کے احکام ان کے قلموں کے نیچے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجے بلند فرمائے گا)

معلوم ہوتا ہے کہ تابعین میں لالچی اور حریص عالم پیدا ہو چکے تھے، جنہیں دیکھ کر صحابہؓ یہ فرمارہے ہیں۔

سبحان اللہ تجربہ بھی اس حدیث کی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو دو غم اور دو فکریں نہیں دیتا۔ جس دل میں آخرت کا غم و فکر ہے انشاءاللہ اس میں دنیا کا غم و فکر نہیں آتا۔ دنیاوی تکلیفیں اگر آبھی جائیں تو دل ان کا اثر نہیں لیتا۔ کلورا فارم سنگھا دینے سے اپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ غمِ آخرت نصیب کرے۔ (آمین)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یہی کلورا فارم سونگھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کربلا کی مصیبتیں خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔ اور جان جانان سپرد کردی (مرآت)

اس کی عجیب مثال یہ اللہ والے ہیں جو دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر صرف اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں ان کا مطمع نظر صرف ذاتِ احدیت ہے دنیا ان کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ لیکن وہ غم و فکر سے بے پرواہ ہیں اللہ نے اپنے بندوں کو ان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ بقول مولانا روم۔

کَانَ لِلّٰہ بودۂ در ما مضٰے تاکہ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ آمد جزا

ترجمہ۔ تو اپنے گذرے ہوئے زمانہ میں اللہ کا ہوا پھر بطور جزاء اللہ تیرا ہو گیا۔

☆ حدیث نمبر ٦٦

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَالِمٌ لَا یُنْتَفَعُ بِعِلْمِہٖ رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدتر درجے والا وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔(دارمی)

☆ تشریح

یعنی لوگ اس کے علم سے فائدہ نہ اٹھائیں۔نہ مسائل بیان کرے نہ کوئی دینی کتاب لکھے۔یا مطلب یہ ہے کہ خود نفع حاصل نہ کرے یعنی عالم بے عمل۔
علم درخت ہے اور عمل اس کا پھل ہے، بڑا بدنصیب وہ شخص ہے جو اپنے درخت کا پھل خود نہ کھائے۔ جاہل بے عمل کو ایک عذاب ہے اور عالم بے عمل کو سات گنا عذاب۔

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۶۷

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت حسنؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں علم دو طرح کا ہے، ایک علم دل میں یہ علم فائدہ مند ہے دوسرا علم صرف زبان پر، یہ انسان پر اللہ کی حجت ہے۔ (دارمی)

☆ تشریح

علمِ دین کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا نور عالم کے دل میں اتر جائے اور قلب روشن اور قالب مطیع ہو جائے۔ یہ علم عالم کو نفع دے گا اور دوسروں کو بھی نفع دے گا ایسے عالم کا وعظ بلکہ اس کی صحبت اکسیر ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ عالم کے دل میں خوفِ خدا اور محبت جنابِ مصطفےٰ ﷺ، آنکھوں میں تری، زبان پر اللہ کا ذکر ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم بغیر تصوّف فسق ہے اور تصوّف بغیر علم بے دینی ہے۔

علم کی دوسری قسم یہ ہے کہ عالم باتیں تو اچھی کرے مگر اس کا اپنا دل نورِ علم

سے اور بدن اثرِ علم سے خالی ہو۔ یہ علم قیامت میں عالم کے الزام کھا جانے کا ذریعہ ہو گا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو سب کچھ جانتا تھا پھر گمراہ اور بد عمل کیوں بنا؟ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس علم میں تصوف کی چاشنی نہ ہو وہ علم لسانی وراثت شیطانی ہے۔ آدم علیہ السلام کا علم قلبی تھا اور شیطان کا علم لسانی۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۶۸

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُ ھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِیْکُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ایک تو تم میں پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر پھیلاؤں تو یہ کاٹ ڈالا جائے یعنی گلا۔ (بخاری)

☆ تشریح

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ سے دو قسم کے علم ملے، ایک علم شریعت، جو میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ دوسرا علم اسرار و طریقت و حقیقت

ہے، اگر میں وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کر دیں۔ یا ایک علم احکام اور دوسرا علم اخبار، جس میں ظالم حاکموں اور بے دین سرداروں کے نام موجود ہیں اگر میں بتاؤں تو ان کی ذریت مجھے ہلاک کر دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کبھی کنایۃً اشارۃً کچھ کہہ دیتے تھے، چنانچہ دعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ۶۰ھ کے فتنوں اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ دے۔ چنانچہ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی یزید پلید تخت نشین ہوا۔ اس دعا میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ تھا۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور امیر معاویہؓ کی وفات سے ایک سال پہلے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ شرعی مسئلہ بے دھڑک بیان کیا جائے مگر تصوف کے اسرار نااہل کو نہ بتائے جائیں۔ دوسرا یہ کہ غیر ضروری چیزیں جن کے اظہار سے فتنہ پھیلتا ہو ہرگز ظاہر نہ کی جائیں۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علومِ غیبیہ عطا فرمائے۔ حضور ﷺ کے ذریعے صحابہ کرامؓ کو بھی۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ کے علم کا یہ حال ہے تو حضرات خلفائے راشدین کے علوم تو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔ (مرآت)

شاید مولانا رومؒ نے اسی حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے

حیف باشد شرح او اندر جہاں ہمچو رازِ عشق باید در نہاں

ترجمہ = اس کا جہاں میں اظہار کرنا غلطی ہوگی، یہ رازِ عشق کی طرح پوشیدہ ہی رہنا چاہیے۔

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے دو قسم کے علوم حاصل کئے ایک دینی جس کا پھیلانا فرض، جبکہ دوسرے کا تعلق احکامِ شرعیہ سے نہ تھا، اور اس کا اظہار بھی ضروری نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ دین کے احکام کو چھپانا حرام ہے۔ اور اس اسرارِ باطنی کو

ظاہر کرنا غلطی ہے، خصوصاً وہ جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

(فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۶۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔ رَوَاہُ التِّرْمَذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

(مشکوۃ کتاب العلم)

☆ ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو علم کی تلاش میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے۔ (ترمذی و داری)

☆ تشریح

جو کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے اپنے گھر سے یا علم کی جستجو میں اپنے وطن سے علماء کے پاس گیا وہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ ہے، غازی کی طرح گھر واپس آنے تک اس کا سارا وقت اور ہر وقت اور ہر حرکت عبادت ہوگی۔ گھر آجانے کے بعد یہ ثواب ختم ہو جائے گا، پھر عمل اور تبلیغ کرنے کا ثواب شروع ہوگا۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف

نہیں کہ علم صدقہ جاریہ ہے ، جس کا ثواب موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۷۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُوَ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا یَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجٰتِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَ کَثْرَةُ الْخُطٰی اِلَی الْمَسَاجِدِ وَ اِنْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذَالِکُمُ الرِّبَاطُ وَ فِیْ حَدِیْثِ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذَالِکُمُ الرِّبَاطُ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ فِیْ رِوَایَةِ التِّرْمَذِیْ ثَلٰثًا

(مشکوٰۃ کتاب الطهارة)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے ، درجے بلند کر دے۔لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ ، فرمایا وضو پورا کرنا مشقتوں میں ، مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا ، نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا یہ ہے سرحد کی حفاظت - اور مالک لکن

انسؓ کی حدیث میں ہے کہ یہ ہے سرحد کی حفاظت۔ یہ ہے سرحد کی حفاظت دو بار، اسے مسلم نے روایت کیا، ترمذی کی روایت میں تین بار ہے۔

☆ **تشریح**

حدیثِ پاک میں خطاؤں سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں نہ کہ گناہِ کبیرہ اور نہ ہی حقوق العباد، **محو** سے مراد ہے بخش دینا یا نامۂ اعمال سے ایسا مٹا دینا کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ **درجات** سے مراد جنت کے درجے ہیں یا دنیا میں ایمان کے درجے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ سوال اس لئے ہے کہ اگلا فرمان غور سے سنا جائے۔ ورنہ حضور ﷺ کی تبلیغ ان کی عرض پر موقوف نہیں۔ وضو پورا کرنے سے مراد اعضائے وضو کا کامل دھونا اور تین بار دھونا اور وضو کی سنتوں کا پورا کرنا ہے۔ **مشقت** سے مراد سردی یا بیماری یا پانی کی گرانی کا زمانہ ہے۔ یعنی جب وضو مکمل کرنا بھاری ہو اس وقت مکمل کرنا۔ مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا اس لئے فرمایا کہ گھر مسجد سے دُور ہو یا قدم قریب قریب ڈالے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نماز مسجد میں پڑھنا۔ نماز کے علاوہ وعظ وغیرہ کے لئے بھی مسجد میں حاضری دینا موجبِ ثواب ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ قریب کی مسجد چھوڑ کر دُور جا کر نماز پڑھے۔ نماز کے بعد نماز کے انتظار کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت کی پڑھ کر دوسری نماز کا منتظر رہنا خواہ مسجد میں بیٹھ کر یا اس طرح کہ جسم گھر یا دکان میں ہو اور کان اذان کی طرف اور دل مسجد میں لگا ہو۔ ،، یعنی دست بکار و دل بیار ،،۔

رباط کے لغوی معنی ہیں گھوڑا پالنا۔ اصطلاح میں جہاد کی تیاری یا اسلام کی

سرحد پر رہ کر کفار کے مقابلے میں ڈٹا رہنا رباط ہے۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی حفاظت کرو) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے مقابل مورچہ سنبھالنا ظاہری رباط ہے اور مذکورہ اعمال باطنی رباط ہے۔ یعنی نفس شیطان کے مقابل حدودِ ایمان کی حفاظت۔

شارح مسلم علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ علامہ یحیٰ بن شرف نووی نے فرمایا کہ رباط کے معنی کسی چیز کو کسی جگہ محبوس کرنا، گویا اس شخص نے اپنے نفس کو اس اطاعت پر محبوس کر دیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ افضل رباط ہے، جیسے کہا جاتا ہے اصل جہاد جہاد بالنفس ہے۔ (شرح مسلم)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ مولانا اللہ جوایاؒ اپنی کتاب رسالہ نوری (جو پنجابی شعروں میں تصوف پر ایک جامع رسالہ ہے) لکھتے ہیں۔

جنگ کبیر شہادت کبریٰ نفسے نال لڑائی
کافر حربی کو ہنے نالوں کتنے تول سوائی

☆☆☆☆☆☆☆

☆ حدیث نمبر ۱۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَی الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ

مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اِنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَ اِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَّمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَءَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

(مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے تو فرمایا ،اے مومن قوم کی جماعت تم پر سلام ہو انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں- مجھے یہ تمنا ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں، فرمایا تم میرے ساتھی دوست ہو، ہمارے بھائی وہ ہیں جو اب تک آئے نہیں،لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے جو امتی اب تک نہیں آئے انہیں حضور ﷺ کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا بتاؤ تو سہی اگر کسی شخص کے گھوڑے پنج کلیان ہوں اور نہایت سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہو گئے ہوں تو کیا یہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا؟ بولے ہاں یارسول اللہ ﷺ فرمایا وہ آثار وضو سے

پنج کلیان آئیں گے اور میں حوض پر ان کا پیش رو ہونگا۔

(مسلم)

☆ تشریح

مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ کا قبرستان جنت البقیع ہے، جہاں حضور ﷺ زیارتِ قبور کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دار کے معنی گھر یا حویلی کے ہیں، اہل پوشیدہ ہے یعنی گھر والے۔ (مرآت)

صاحبِ مرقات ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ عوام کی قبروں پر پہنچ کر سلام کرنا سنت ہے، کیونکہ مردے زائرین کو دیکھتے ہیں پہچانتے ہیں ان کے کلام اور سلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں کیونکہ نہ سننے والے اور جواب نہ دے سکنے والے کو سلام کرنا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا (اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو) معلوم ہوا کہ مردوں اور زندوں کو سلام یکساں کیا جائے یعنی اس طرح کہ سلام پہلے علیکم بعد میں۔ وہ جو حدیثِ پاک میں ہے کہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تب یہ سلام کرتے ہیں۔

(مرقات)

پیارے آقا ﷺ نے فرمایا عنقریب وفات پا کر ہم تم سے ملاقات کریں گے، انشاء اللہ برکت کے لئے فرمایا، ورنہ موت تو یقینی ہے یا ایمان پر خاتمہ اور کسی خاص جگہ مرنا ہم لوگوں کے لئے مشکوک ہے۔ یعنی اگر اللہ نے چاہا تو ہم ایمان پر مر کر مومنوں

سے ملیں گے یہ سب کچھ امت کی تعلیم کے لئے ہے۔ (مرآت)

سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں سے ظاہری حیات میں ملاقات کرتا ورنہ حضور ﷺ ساری امت کو دیکھ رہے ہیں۔ان کا اپنا بھائی فرمانا انتہائی کریم کریمانہ ہے امت کو یہ جائز نہیں کہ حضور ﷺ کو اپنا بھائی کہے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ نے کبھی حضور ﷺ کو بھائی نہ کہا۔بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ کا بھائی اور خادم ہوں لیکن اگر رعایا اسے خادم کہہ کر پکارے تو سزا پائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (رسول ﷺ کو اس طرح مت پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو)

سرکار ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تم بھائی بھی ہو اور صحابی بھی، اور جو مسلمان آئندہ آنے والے ہیں وہ صرف بھائی ہونگے صحابی نہ ہونگے۔ خیال رہے بھائی ہونا ظاہری لحاظ سے ہے، رشتۂ ایمانی کی بناء پر، ورنہ حضور ﷺ امت کے لئے روحانی والد ہیں اور ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، نہ کہ بھاوجیں، رشتۂ ایمانی سے تو سگا باپ اور دلوا اسلامی بھائی ہیں۔اور حقیقی ماں اور بیوی اسلامی بہنیں، مگر اس رشتہ کی بناء پر نہ ان لوگوں کو بہن بھائی کہا جاتا ہے اور نہ ان پر بہن بھائی کے احکام مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر بیوی کو بہن سے تشبیہ بھی دے تو ظہار ہو جاتا ہے، جس کی سزا میں ساٹھ روزے کفارہ واجب ہے، تو جو حضور ﷺ کو بھائی کہے اور سمجھے وہ بھی سخت سزا کا مستحق ہے۔

(مرآت)

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جو امتی اب تک نہیں آئے انہیں آپ کیسے پہچانیں گے؟ صحابہ کا یہ سوال حضور ﷺ کے علم کی نفی کی بناء پر نہیں، ذریعہ علم کے

متعلق ہے یعنی جن مسلمانوں کو دنیا میں آپ نے زندگی شریف میں ظاہری نگاہ سے نہیں دیکھا انہیں کل قیامت میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے شفاعت کریں گے؟ محض نورِ نبوت یا وحی سے یا کچھ ان میں علامتیں بھی ہونگی، جن سے ہم بھی پہچان سکیں ورنہ صحابہؓ کا تو یہ عقیدہ تھا کہ حضور علیہ السلام کو اپنی ساری امت کے کھلے چھپے ایک ایک عمل کی خبر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کی امت میں کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟ فرمایا ہاں عمرؓ کی۔ یہ سوال وجواب علیم وخبیر سے ہی ہوسکتے ہیں۔

پنج کلیان وہ سرخ یا سیاہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ پاؤں اور پیشانی سفید ہوں، یہ بہت خوبصورت بہت قیمتی اور طاقتور ہوتا ہے۔ سبحان اللہ حدیث پاک میں کیا نفیس تمثیل ہے کہ جیسے پنج کلیان گھوڑا کالے گھوڑوں میں نہیں چھپتا۔۔ ایسے ہی میری امت دیگر امتوں میں نہیں چھپے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پچھلی امتوں کے سارے مومن سیاہ رو ہونگے بلکہ سیاہ روئی تو صرف کفار کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ آثارِ وضو کی خاص چمک صرف امتِ مصطفویؐ پر ہوگی۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں حوضِ کوثر پر ان کا پیش رو ہوں گا۔ یہ حوض کوثر ہمارے آقا کا ہے، دوسرے انبیاء کے بھی حوض ہوں گے۔ مگر کوثر کسی کا نہیں، فرطا سے کہتے ہیں جو آگے پہنچ کر انتظام فرمائے۔ مطلب یہ ہے کہ کوثر پر ہم تم سے پہلے پہنچ کر تمہارا انتظام اور انتظار فرمائیں گے۔ تمہیں اپنے انتظام سے پانی پلوائیں گے۔

شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ خصوصاً خیر اور فضلاء سے ملاقات کے لیے۔ لیکن دنیاوی مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم آپ کے دینی بھائی نہیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ تم میرے صحابہ ہو اور ہمارے (دینی) وہ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس قول سے ان صحابہ کے دینی بھائی ہونے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ آپ ﷺ نے ان کی فضیلت کا ذکر فرمایا، اور وہ صحابیت ہے۔ لہٰذا صحابہ بھائی بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں لیکن بعد میں آنے والے صرف دینی بھائی جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (بیشک مومن بھائی بھائی ہیں)۔

علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ میرے استاد محترم حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی" نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کسی معزز اور صاحبِ فضیلت آدمی کا ذکر کیا جائے تو اس کا ذکر عام اوصاف کے ساتھ نہیں بلکہ مخصوص وصف کے ساتھ کیا جائے کیونکہ بھائی کا وصف صحابہ کرامؓ اور بعد کے مسلمانوں میں عام اور مشترک تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کا ذکر آپ ﷺ نے عام وصف سے ناپسند فرمایا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے ذکر میں صرف بشر کہنا صحیح نہیں بلکہ اَفْضَلُ الْبَشَرْ یا سَیِّدُ الْبَشَرْ کہا جائے۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلاموں کے ساتھ اس وصف کو ناپسند فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کے لئے محض بشر کا لفظ کہنا کب پسندیدہ ہوگا۔ بشر تو کفار اور مشرکین بھی ہیں اس لئے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے تو اوصاف مخصوصہ یعنی اَفْضَلُ الْبَشَرْ، سَیِّدُ الْبَشَرْ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ وغیرہ القاب کے ساتھ کیا جائے۔

(شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۴۷

وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَاْسَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ -

(مشکوٰۃ باب اداب الخلاء)

☆ ترجمہ

حضرت مروان اصفرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری قبلہ رخ بٹھالی پھر بیٹھ کر اس کی طرف پیشاب کرنے لگے - میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن کیا اس کی ممانعت نہیں ہے - فرمایا اس سے جنگل میں منع فرمایا گیا ہے - مگر جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز آڑ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں - (ابوداؤد)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی مروان اصفرؒ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے غلام ہیں -

بصری، تابعی ہیں آپ سے ایک دو حدیثیں مروی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ جنگل کا ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے، نیز جنگل ہی میں سواری پر بیٹھا جاتا ہے۔ تابعی کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام صحابہؓ اور تابعین میں یہی مشہور تھا کہ مطلقاً قبلہ رو پیشاب، پاخانہ کرنا منع ہے تب ہی تو اس تابعی کو حضرت ابن عمرؓ کے اس فعل پر تعجب ہوا۔ لہٰذا یہ حدیث امام اعظمؒ کی دلیل ہے۔

اس حدیث پاک میں حضرت ابن عمرؓ کا اجتہادی فتویٰ ہے یہ جنگل اور بستی کا فرق حدیث مرفوع میں نہیں۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۴۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

(مشکوٰۃ کتاب الرءیا)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ نہ باقی رہیں موت سے مگر بشارتیں۔ لوگوں نے عرض کیا بشارتیں کیا ہیں؟
فرمایا اچھی خواب۔ (بخاری)

☆ تشریح

مدنی سرکار ﷺ نے فرمایا کہ ہماری وفات پر وحی، نبوت تا قیامت ختم ہو جائے گی، مگر نبوت کا ایک حصہ یعنی ڈرانا اور بشارت باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ خوابوں کے ذریعے علوم غیبیہ اگلے حالات پر اطلاع برابر جاری رکھے گا۔ خوابیں غیبی خبریں دیتی رہیں گی۔ خوابیں بشارت بھی ہوتی ہیں اور ڈراتی بھی ہیں، مگر تغلیبا بشارت فرمایا (مرقات)

صالحہ سے مراد یا تو سچی خوابیں ہیں یا اچھی خوشی کی خوابیں عموماً خوشی کی خواب کو رؤیا کہتے ہیں اور ڈراؤنی خواب کو حلم، مگر یہاں رؤیا سے عام خواب مراد ہے چاہے اچھی ہو یا ڈراؤنی۔ (اشعۃ و مرقات)

خیال رہے رؤیا بمعنیٰ خواب آتا ہے مگر جب اس کے بعد رویت کا کوئی مشتق آجائے تو بیداری میں دیکھنے کے بھی معنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

ترجمہ = اور ہم نے وہ دکھاوا نہیں کیا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے۔

حضور انور ﷺ نے معراج کی رات سارے عالم غیب کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، مگر اسے اللہ تعالیٰ نے رؤیا فرمایا کیونکہ آگے اَرَيْنٰكَ ہے اس لئے

وہاں آنکھ سے بیداری میں دیکھنا مراد ہے۔ جسمانی معراج کے منکر اسی لفظ رؤیا سے انکار کرتے ہیں۔ یہ بحث الگ ہے دوسری کتابوں میں دیکھیں۔

مالک نے بروایت عطاء ابن یسار اس حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ جسے مسلمان دیکھے یا اس کے متعلق خواب دکھائی جائے۔ یعنی مسلمان خود خواب دیکھے یا دوسرا شخص اس کے متعلق خواب دیکھے۔ طبرانی نے بروایت عبادہ ابن صامت حدیث نقل فرمائی کہ مومن کا خواب اس کا اپنے رب سے کلام کرنا ہے، یارب کا اس سے کلام کرنا ہے۔ (مرقات)

خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہو سکتا ہے ہمارے امام اعظمؒ نے ننانوے بار اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، معلوم ہوا کہ بعض خواب انسان خود دیکھتا ہے کہ دن میں جو خیالات رکھتا ہے وہی خواب میں دیکھتا ہے اور بعض خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں، مومن کے یہ خواب الہام کا حکم رکھتے ہیں اور ان کو ہی رؤیا صالحہ کہتے ہیں۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۴۷

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا اَبَا الْقَسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(مشکوٰۃ باب الاسامی)

☆ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ بازار میں تھے کہ ایک آدمی نے کہا اے ابو القاسم، تو اس کی طرف نبی ﷺ نے توجہ فرمائی وہ بولا کہ میں نے تو اس کو بلایا ہے، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام تو رکھو میری کنیت نہ رکھو (مسلم وبخاری)

☆تشریح

کسی اور شخص کا نام ابو القاسم تھا اس نے اس کو پکارا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہزاروں کے نام "محمد" ہوں تو دھوکا نہ ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کو صرف نام سے پکارنا حرام ہے۔ اب جو حضور ﷺ کو پکارے گا وہ "یارسول اللہ" ﷺ کہے گا" یا محمد" نہ کہے گا۔ اگر "یا محمد" کہہ کر پکارے گا تو کسی اور "محمد" کو پکارے گا نہ کہ حضور ﷺ کو پکارے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا، قرآن پاک اٹھا کر دیکھو۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ ، یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ ، یٰسٓ ، طٰهٰ ، یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ سے پکارا لہٰذا نام کے اشتراک میں ضرور دھوکا ہوگا۔

(مرقات)

حضور اکرم ﷺ کو یا لبالقاسم کہہ کر پکار سکتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کا لقب ہے، جیسے رسول اللہ، نبی اللہ مگر "یا محمد" کہہ کر نہیں پکار سکتے۔ کہ محمد حضور

ﷺ کا نامِ شریف ہے۔ (مرقات)

حضور انور ﷺ کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا اس نام سے آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔

اللہ تعالٰی نے دیگر انبیاء کرام کو نام بنام خطاب کیا، یاآدم، یاابراہیم، یاموسیٰ، یاعیسیٰ وغیرہ لیکن جب اپنے حبیب کو ندا فرمائی تو ان کی کمال عظمت رفعت کے اظہار کے لئے نام کے ساتھ ندا نہ کی گئی بلکہ ان کے معزز اوصاف والقابات سے پکارا۔

؎ یا آدم است باپدر انبیاء خطاب یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ خطاب محمد است

ترجمہ = انبیاء کے باپ آدم کا خطاب تو آدم ہے لیکن حضور سے خطاب یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ سے ہے

قرآن نے بارگاہِ نبوّت کا ادب یوں سکھایا لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (رسول کو اس طرح مت پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو) آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو ایسے الفاظ کے ساتھ پکارنا جائز نہیں جس سے تعظیم مفہوم نہ ہوتی ہو نہ دنیاوی زندگی میں اور نہ ہی وصال کے بعد۔ (فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۷۵

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ ذَھَبَتْ بِیْ خَالَتِیْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَکَۃِ ثُمَّ

تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْءِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَیْنَ کَتِفَیْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

(مشکوٰۃ باب احکام المیاہ)

☆ترجمہ

حضرت سائب ابن یزیدؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئیں۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرا بھانجا بیمار ہے، آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت کی پھر وضو کیا، میں نے وضو کا پانی پیا، پھر میں آپ ﷺ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی۔ (مسلم وبخاری)

☆تشریح

حدیث پاک کے راوی حضرت سائب بن یزیدؓ آپ ازدی خذلی ہیں ۲ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اس وقت سات سال کے تھے، نو عمر صحابی ہیں عہد فاروقی میں بازار مدینہ کے حاکم تھے۔

غالباً آپ کے سر میں درد تھا جو حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے جاتا رہا۔ اس ہاتھ کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سائبؓ کی عمر سو سال ہوئی لیکن نہ کوئی بال سفید ہوا اور نہ دانت گرا۔ (مرقات)

اس سے معلوم ہوا کہ بیماروں کو بزرگوں کے پاس دم درود کے لئے لے جانا اور بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیرنا سنت سے ثابت ہے۔

حضرت سائب ؓ نے وضو کا فضالہ شریف (بچا ہوا پانی) یا غسالہ (دھوون شریف) پیا۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں صحابہ کرام ؓ اس غسالہ شریف کو حاصل کرنے کے لئے لڑتے تھے۔ خیال رہے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک وضو یا غسل کا غسالہ نجس یعنی پلید ہے۔ مگر ہمارا غسالہ نجس ہے" نہ کہ حضور ﷺ کا۔ بلکہ وہ تو تبرک اور نور ہے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ کے فضلات شریف یعنی جو ٹھامت کے لئے پاک ہے۔" (مرقات واشعۃ)

مہرِ نبوت حضور ﷺ کی گردن کے نیچے دو کندھوں کے درمیان ایک پارہ گوشت تھا جس پر کچھ تل تھے کبوتری کے انڈے یا مسہری کی گھنڈی کے برابر پارہ گوشت نہایت چمکیلا اور نورانی تھا۔ سیاہ تل آس پاس بال ان کے اجتماع سے یہ جگہ نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی نیچے سے دیکھو تو پڑھنے میں آتا تھا۔ اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (اللہ ایک ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں)

اوپر سے دیکھو تو پڑھا جاتا تھا تَوَجَّهْ حَيْثُ كُنْتَ فَاِنَّكَ مَنْصُوْرٌ (آپ جس طرف جائیں آپ کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے)

اسے مہر نبوت اس لئے کہتے تھے کہ گذشتہ آسمانی کتب میں اس مہر کو حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی علامت قرار دیا گیا تھا۔ وفات شریف کے وقت یہ مہر غائب ہو گئی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ولادت موجود تھی یا نہیں بعض نے فرمایا کہ شقِ صدر کے بعد فرشتوں نے جو ٹانکے لگائے تھے ان سے یہ مہر پیدا ہو گئی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ بوقت ولادت اصل مہر موجود تھی مگر اس کا ابھار ان ٹانکوں

کے بعد ہوا۔

(مرآت)

شارح بخاری سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فضلات یعنی جوٹھا اور جسم پاک کا دھوون طیب و طاہر باعث برکت اور موجبِ رحمت ہے صحابہ کرامؓ اسے متبرک جانتے، نفع حاصل کرنے کی امید رکھتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ ثابت ہوا بزرگانِ دین کے آثار کو تبرک ماننا اور نفع کی امید رکھنا جائز بلکہ سنتِ صحابہؓ ہے۔ بلکہ حضور ﷺ کی سنت تقریری ہے۔

مہرِ نبوت کے متعلق حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ میں مہرِ نبوت دیکھنے کا مشتاق تھا اور ایک دن حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا تھا کہ کسی طرح مہرِ نبوت نظر آئے، سرکار نے میری خواہش محسوس کرتے ہوئے چادر ہٹادی، میں نے فوراً مہرِ نبوت کو چوم لیا۔ خیال رہے سلمان فارسیؓ مہرِ نبوت دیکھ کر ہی ایمان لائے۔

(فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۷۶

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ

عِبَادِ اللّٰهِ وَ اَرْجُوْ ا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَئَلَ لِيَ ا لْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ ا لشَّفَاعَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب فضل الاذان و اجابۃ المؤذن)

☆ ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جو وہ کہہ رہا ہے، پھر مجھ پر درُود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درُود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو، وسیلہ جنّت میں ایک جگہ ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے اس پر میری شفاعت لازم ہے۔ (مسلم)

☆ تشریح

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمات سارے دہرائے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ بھی حَيَّ عَلَى اَلْفَلَاحِ بھی اور اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی ایک حدیث میں ہے کہ حَيَّ عَلَى ا لصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى اَلْفَلَاحِ پر لَا حَوْلَ پڑھے۔ چاہئے کہ دونوں ہی کہہ لیا کرے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

اس حدیثِ شریف سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد درُود شریف پڑھنا سنت

ہے۔ بعض مؤذن اذان سے پہلے بھی درُود شریف پڑھتے ہیں اس میں بھی حرج نہیں ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

شامی نے فرمایا کہ اقامت کے وقت درُود شریف پڑھنا سنّت ہے۔ یاد رہے کہ اذان سے پہلے یا بعد میں بلند آواز سے درُود پڑھنا بھی جائز بلکہ ثواب ہے۔ بلا وجہ اسے منع نہیں کیا جاسکتا۔

وسیلہ سبب اور توسّل کو کہتے ہیں چونکہ اس جگہ پہنچنا رب سے قرب خصوصی کا سبب ہے اس لئے وسیلہ فرمایا گیا۔ حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ "امید کرتا ہوں" تواضع اور انکساری کے لیے ہے، ورنہ وہ جگہ حضور علیہ السلام کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔

(مرقات واشعۃ)

ہمارا حضور علیہ السلام کے لئے وسیلہ کی دعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے فقیر امیر کے دروازے پر صدا لگاتے وقت اس کی جان ومال کو دعائیں دیتا ہے تاکہ بھیک ملے۔ ہم بھکاری ہیں اور حضور علیہ السلام داتا، انہیں دعائیں دینا منگنے کھانے کا ڈھنگ ہے۔

حدیثِ پاک کے آخر میں سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی شفاعت ضرور کرونگا۔ یہاں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے ورنہ حضور علیہ السلام ہر مومن کے شفیع ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شفاعت بہت قسم کی ہے۔ (مرآت)

اذان کے جواب کی چند احادیث کے خلاصے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب اذان سنو تو اللہ کے داعی کا جواب دو۔ (طبرانی)

۲۔ جب مؤذن اذان کہے تو سنو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ (ابن ماجہ)

۳۔ مومن کو بد بختی ونامرادی کے لئے کافی ہے کہ مؤذن کی تکبیر سنے اور جواب نہ دے۔

۴- حضور علیہ السلام نے عورتوں سے فرمایا جب تم بلالؓ کو اذان واقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہے تم بھی کہو اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کلمے کے بدلے ایک لاکھ نیکی لکھے گا- ہزار درجات بلند کرے گا اور ہزار گناہ مٹا دے گا اور مردوں کے لئے دوگنا ثواب ہے- (ابن عساکر)

۵- اذان کا جواب دینے والے کی مغفرت ہو گی وہ جنت میں داخل ہو گا- (مسلم و ابو الشیخ)

لہٰذا معلوم ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے- مؤذن جو کہے سننے والا بھی وہی کہے، مگر جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا لرَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو سننے والا درود شریف پڑھے اور انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں کو لگائے اور کہے، قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ وَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے یہ بھی معلوم ہوا کے جنبی بھی اذان کا جواب دے سکتا ہے- جب اذان ختم ہو جائے تو مؤذن اور سننے والے درود شریف پڑھیں اور پھر دعا مانگیں-

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقام محمود تو حضور علیہ السلام کو حاصل ہے ہی اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی فرمالیا ہے پھر اس کے لئے دعا کرنے کا کیا مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ حاصل شدہ نعمت کے لئے دعا کرنا یا کرانا یہی شان عبدیت ہے اور بعض اوقات حاصل شدہ نعمت کے دوام وبقا کے لئے بھی دعا کی جاتی ہے- پس جو صالحین امت یہ دعا کریں گے انشاءاللہ وہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے بغیر حساب جنت میں داخل کیے جائیں گے-

(فیوض الباری)

علامہ طحاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ مؤذن کے پہلی مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ

مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کے جواب میں انگوٹھے آنکھوں پر رکھ کر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اور دوسری دفعہ سن کر قُرَّةُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہنا مستحب ہے۔ علامہ شامی نے دیلمی کی کتاب "الفردوس" میں یہ حدیثِ پاک ذکر کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ سن کر آنکھوں پر رکھ کر انگوٹھے چومے میں اس کی قیادت کر کے اس کو جنت کی صفوں میں داخل کر دونگا۔" (شرح مسلم از علامہ سعیدی)

☆ حدیث نمبر ۷۷

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُھُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِھِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِہٖ اَجْرًا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

(مشکوٰۃ باب فضل الاذان و اجابۃ المؤذن)

☆ ترجمہ

حضرت عثمان ابن ابو العاص ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے۔ فرمایا تم ان کے امام ہو اور ان میں کمزور کو مقتدی جانو اور کوئی ایسا مؤذن مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔

(احمد، ابوداود، نسائی)

☆ تشریح

حدیثِ پاک کے راوی حضرت عثمان ابن ابو العاصؓ مشہور صحابی ہیں، ثقفی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو طائف کا حاکم بنایا اور شروع خلافت فاروقی تک وہیں حاکم رہے پھر حضرت عمرؓ نے وہاں سے معزول کر کے عمان اور بحرین کا گورنر بنایا۔ (مرآت)

حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ امام مقرر کرنے اور معزول کرنے کا حق سلطانِ اسلام کو بھی ہے اور اس کا مقرر کردہ امام قوم کے معزول کرنے سے علیٰحدہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمانؓ سے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ تم یہ سمجھ کر نماز پڑھاؤ کہ میرے مقتدی کمزور اور بیمار بھی ہیں۔ اس لئے ہلکی نماز پڑھاؤ۔

اس حدیثِ پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱- مؤذن رکھنے اور معزول کرنے کا حق امام کو ہے۔

۲- اذان پر اجرت لینا جائز ہے مگر نہ لینا بہتر، اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے یہاں اجرت کو حرام نہیں کہا، بلکہ فرمایا ڈھونڈھ کر کوئی للّٰہ اذان دینے والا رکھو، جو تنخواہ نہ لے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں دینی خدمات پر اجرت لینا امرِ ممنوع بھی تھا تو اس وقت کے لحاظ سے تھا، اب ممنوع نہیں ورنہ ہمارے دینی کام بند ہو جائیں گے۔ دیکھو سوائے حضرت عثمان غنیؓ کے باقی تمام خلفاء نے خلافت پر اجرت لی۔ حالانکہ خلافت امامتِ کبریٰ ہے۔ نیز حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانے میں غازیوں اور حکام کی تنخواہیں مقرر کیں، حالانکہ جہاد بھی عبادت ہے اور حاکمِ اسلام بننا بھی

عبارت ہے۔ (مرآت)

چنانچہ صدیق اکبرؓ کو جب متفقہ طور پر خلیفہ نامزد کر دیا گیا تو اس وقت آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حسبِ معمول دوسرے ہی روز آپ کپڑے کے تھان اٹھائے بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات ہو گئی حضرت عمرؓ کہنے لگے آپ خلیفۃ المسلمین ہیں آپ اگر تجارت کریں گے تو خلافت کے امور کون سرانجام دے گا صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں اگر تجارت نہ کروں تو اپنا اور بال بچوں کا پیٹ کیسے پالوں گا ؟

حضرت عمر فاروقؓ نے اکابرین صحابہؓ کو جمع کیا اور اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی اور خلیفہ کے لئے باقاعدہ تنخواہ مقرر کر دی گئی جو اس وقت کے لحاظ سے مناسب تھی۔ اور صدیق اکبرؓ اسی تنخواہ پر اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔

☆ حدیث نمبر ۷۸

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَ اَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَّنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَآءٍ فَتَوَضَّاَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ اِدَاوَةٍ وَ اَمَرَنَا فَقَالَ اُخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَيْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضِحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَآءِ وَتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحَرَّ شَدِيْدٌ وَالْمَآءَ يَنْشِفُ فَقَالَ

مُدَّهُ مِنَ الْمَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طِيْبًا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

(مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

☆ ترجمہ

حضرت طلق ابن علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، پس ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ہم نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ ہماری زمین پر گرجا ہے ہم نے حضور ﷺ سے آپؐ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا وضو کیا اور کُلّی کی۔ پھر یہ پانی ایک برتن میں بھر دیا۔ اور ہم کو حکم دیا، فرمایا جاؤ جب اپنے وطن کو پہنچو تو اپنا گرجا توڑ ڈالو، اور اس کی جگہ یہ پانی چھڑک دو۔ اور اسے مسجد بنالو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر دُور ہے اور گرمی سخت ہے پانی خشک ہو جائے گا، فرمایا اسے اور پانی سے بڑھاتے رہو اس سے برکت ہی بڑھے گی۔ (نسائی)

☆ تشریح

ہم وفد کی صورت میں اس لئے حاضر ہوئے تاکہ اپنی قوم کی نمائندگی کر سکیں اور سب کی طرف سے اسلام لانے اور احکام سننے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔

یہ بیعت، بیعت اسلام کہلاتی ہے آج کل عام بیعتیں، بیعت توبہ ہوتی ہیں۔

بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مقبول کے ذریعے رب سے کچھ معاہدے کرنا۔ بیعت کی چار اقسام ہوتی ہیں۔

حضور انور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات ان کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔

ظاہر یہ ہے کہ وہ پانی حضور ﷺ کے اعضاء شریف کا دھوون تھا، جس میں خصوصیت سے ایک کلّی اور بھی کر دی گئی تھی ، اور ہو سکتا ہے کہ وضو کا بچا پانی ہو اور اس میں کلّی کر دی گئی ہو، جو برکت کے لئے ان کو دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور ﷺ کے تبرکات کو خزانہ مخفی جانتے تھے۔ اس لئے عاجزی سے مانگا کرتے تھے۔ گرجا کی جگہ پانی چھڑکنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ اس پانی کی برکت سے گذشتہ کفر کی گندگی جاتی رہے اور آئندہ تمہاری نمازیں زیادہ مقبول ہوں اور تمہاری یہ مسجد دوسری مسجدوں سے افضل ہو کیونکہ اس میں ہمارا تبرک پہنچا ہے۔

سائل نے عرض کی کہ راستہ میں ہم برکت کے لئے پئیں گے بھی، تاکہ ہمارے دل بھی مسجد کی طرح منوّر ہوں اور گرمی سے بھی پانی خشک ہوگا۔ تب حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ملا لینا برکت بڑھے گی۔ حدیث پاک سے ذیل چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔ جو چیز حضور انور ﷺ کے جسم مبارک سے مَس ہو جائے وہ تبرک بن جاتی ہے لہٰذا خاکِ مدینہ تبرک بھی ہے اور شفاء بھی۔

۲۔ سرورِ کائنات ﷺ کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دور کر دیتا ہے۔

۳۔ جس مسجد میں مختارِ کل ختمِ رُسل حضرت محمد ﷺ کا تبرک ہو وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ بعض مساجد میں سید الانبیاء ﷺ کے بال

شریف رکھے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث شریف ہے۔

۴- بزرگوں کے تبرکات دوسرے شہروں میں لے جانا یا بھیجنا سنت صحابہؓ ہے۔بعض لوگ عرسوں کا لنگر دُور دُور بھیجتے ہیں اس کا ماخذ یہی حدیث شریف ہے۔مرقات میں ہے کہ حضور ﷺ امیر مکہ سے آبِ زمزم مدینہ منورہ منگوایا کرتے تھے۔اب بھی آبِ زمزم ملک ملک پہنچتا ہے۔

۵- تبرک سے جو چیز مل جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔اب بھی آبِ زمزم میں اور پانی ملا کر پلایا جاتا ہے۔

۶- مسلمان کفار کا عبادت خانہ نہیں گرا سکتے، لیکن اگر کفار مسلمان ہو کر خود ہی اپنا عبادت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنالیں تو جائز ہے۔جس کی ہندو پاکستان میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۷۹

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَءَيْتُ رَبِّيَ عَزَّ وَ جَلَّ فِي اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَ كَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ رَوَاهُ ا

لِلدَّارِمِیِّ مُرْسَلًا وَّ لِلتِّرْمَذِیِّ نَحْوُہٗ عَنْہُ

(مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

☆ترجمہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔" رب نے پوچھا کہ فرشتے مقرب کس چیز میں جھگڑتے ہیں" میں نے عرض کیا مولا تو ہی جانے۔ تب رب نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی، تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب میں نے جان لیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ "ہم یونہی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں تا کہ وہ یقین والوں میں سے ہو جائیں۔"

(دارمی نے مرسلاً روایت کیا اور ترمذی کی روایت اسی کی مثل ہے)

☆تشریح

رب کو اچھی صورت میں دیکھنے کا مطلب ہے کہ اس وقت میری اپنی صورت بہت اچھی تھی نہ کہ خدا کی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں اچھے کپڑوں میں حاکم سے ملا یعنی ملاقات کے وقت میرے کپڑے اچھے تھے ورنہ رب تو صورت سے پاک ہے۔ حضور ﷺ کا ہم میں آنا بشری صورت میں ہے اور رب سے ملنا نوری صورت میں۔ انسان کا گھر کا لباس اور ہوتا ہے اور کچہری کا اور۔ یہ واقعہ غالباً معراج کا ہے۔ بعض لوگوں نے خواب کا دیدار بتایا، مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے، اسی سے دیدار الٰہی ثابت ہوا۔ حق یہ

ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا۔ رب کا فرمان لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارِ دیدار کی نفی نہیں کر رہا، بلکہ ادراک اور احاطے کی اس حدیثِ مبارک کی تائید آیت کریمہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (ترجمہ۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی) فرمارہی ہے رب نے پوچھا کہ وہ کون سے اعمال ہیں جنہیں لے جانے اور بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے میں فرشتے جھگڑتے ہیں، وہ کہتا ہے، میں لے جاؤں، اور یہ کہتا ہے، کہ میں لے جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ہاتھ میری پشت پر رکھا اور اس کا فیضان میرے سینے اور دل پر پہنچا۔

ملا علی قاری حنفی مرقات میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ کے وسعتِ علم کی کھلی دلیل ہے۔ رب نے حضور ﷺ کو ساتوں آسمانوں بلکہ اوپر کی تمام چیزوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے نیچے کے ذرہ ذرہ اور قطرے قطرے بلکہ مچھلی وغیرہ سب کا علم کلی عطا فرمایا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام کلی و جزئی علوم کا عطا فرمانا ہے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو گذشتہ، موجودہ اور تا قیامت ہونے والی ہر چیز کا علم دیا۔ کیونکہ زمین پر لوگوں کے اعمال اور آسمان پر ان اعمال کے لئے فرشتوں کے یہ جھگڑے تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ جنہیں حضور ﷺ آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس حدیث کی تائید قرآن کی بہت سی آیات کر رہی ہیں۔ جن آیات میں علم کی نفی ہے وہاں ذاتی علم مراد ہے اور یہ علوم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔

حضور علیہ السلام نے آیت کریمہ تلاوت فرما کر یہ بتایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ملکوت دکھائے ایسے ہی مجھے بھی دکھائے- معلوم ہوا کہ اس وقت حضور علیہ السلام کو صرف مسئلے ہی نہیں بتائے گئے تھے، بلکہ ساری خدائی دکھائی گئی تھی- ورنہ حضور علیہ السلام اس آیت سے دلیل نہ پکڑتے واضح رہے کہ حقیقی ملک اللہ کا ہی ہے، لیکن مجازاً بندے بھی مالک ہیں مگر ملکوت خدا کے سوا کسی کا نہیں- ملکوت دنیا و مافیہا من العجائب والغرائب پر بولا جاتا ہے- (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۸۰

وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ کُلُّھُمْ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِیًا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ حَتّٰی یَتَوَفَّاہُ فَیُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ اَوْ یَرُدَّہٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَۃٍ وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَیْتَہٗ بِسَلَامٍ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤٗدَ

(مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن سب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے، ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ

میں جہاد کے لئے نکلے ،وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے یہاں تک کہ اس کو موت آ جائے تو جنت میں داخل فرماوے ،یا اجر و غنیمت کا مال لے کر واپس کرے - دوسرا وہ شخص جو مسجد کی طرف چلے ، وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے -اور تیسرا وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام سے جائے ،وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہے- (ابو داؤد)

☆ تشریح

ان تین قسم کے لوگوں کے لئے اجر و ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ضمان اور امان میں ایسے ہیں جیسے سرکاری ملازم ڈیوٹی پر حکومت کی امان میں ہوتا ہے-اس کی بے عزتی کرنا حکومت کا مقابلہ ہے ،ایسے ہی ان لوگوں سے جھگڑنا رب کا مقابلہ ہے-

مجاہد اگر مارا گیا تو شہید اور اگر زندہ لوٹا تو مجاہد ،اگر مار کر آیا تو صرف ثواب اور اگر جیت کر آیا تو ثواب و غنیمت دونوں لایا-

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا بہتر کام ہے ،اس سے گھر میں اتفاق ،رزق میں برکت اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہوتی ہے - حتیٰ کہ اگر خالی گھر میں جائے تو یوں کہہ دے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ (اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو) اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تیسرا وہ شخص جو سلامتی سے اپنے گھر میں رہے بلا وجہ لوگوں میں نہ پھرے- (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۸۱

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِّنَ الْیَھُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْہُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِئَی جِبْرَائِیْلُ فَسَکَتَ وَجَاءَ جِبْرَائِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَسَئَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ اَسْئَلُ رَبِّیْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرَائِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰہِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْہُ قَطُّ قَالَ وَ کَیْفَ کَانَ یَا جِبْرَائِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُھَا وَ خَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا رَوَاہُ اِبْنُ حَبَّانٍ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ

(مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

☆ ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کون سی جگہ بہتر ہے۔ حضور ﷺ خاموش رہے اور فرمایا "میں جبرائیلؑ کے آنے تک خاموش رہونگا" چنانچہ خاموش رہے اور حضرت جبرائیلؑ حاضر ہوئے حضور ﷺ نے ان سے پوچھا وہ بولے "کہ جس سے سوال

کیا گیا ہے وہ سائل سے بڑا عالم نہیں لیکن میں اپنے رب سے پوچھونگا"، پھر جبرائیلؑ کہنے لگے اے محمد مصطفےٰ ﷺ میں آج اللہ سے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی قریب نہ ہوا تھا - حضور ﷺ نے فرمایا کتنا قرب ہوا ہے اے جبرائیلؑ ؟ عرض کیا کہ میرے اور رب کے درمیان صرف ستر (۷۰) ہزار نور کے پردے رہ گئے۔ رب نے فرمایا کہ بدترین جگہ بازار ہیں اور بہترین جگہ مسجدیں ہیں۔

(اسے ابن حبانؒ نے اپنے صحیح میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے)

☆ تشریح

ظاہر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی یہ خاموشی بے علمی کی وجہ سے نہیں تھی جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ بلکہ آج اپنی محبوبیت دکھانا ہے اور اس بہانے سے حضرت جبرائیلؑ کو معراج کرانا ہے۔

فَسَكَتَ (خاموش رہے) کی عبارت بتا رہی ہے کہ اس خاموشی میں کوئی راز تھا ورنہ یہ مسئلہ اجتہاد سے بھی فرمایا جا سکتا تھا۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رب نے فرمایا جبرائیلؑ آج جاؤ کچھ پاؤ گے ، لطف کی بات یہ ہے کہ رب نے یہ مسئلہ بتا کر نہ بھیجا اور جبرائیلؑ امین نے اپنی بے علمی کا اقرار نہیں کیا بلکہ عرض کیا کہ اس بارے میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں ، زیادتی علم کی نفی کی یعنی اگرچہ یہ آپ کو بھی معلوم ہے مجھے بھی ، لیکن ابھی بتانے کی اجازت نہیں اس میں کچھ راز ہے۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ میں اپنے رب سے اپنی جگہ پر جا کر پوچھونگا۔

حدیثِ پاک کا منشاء ہے کہ یہ مجلس ابھی گرم ہی تھی کہ جبرائیلؑ جاکر لوٹ بھی آئے اور یہ پیغام لائے۔ خیال رہے کہ ہمیشہ حضرت جبرائیلؑ رب کے بھیجے ہوئے حضور علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے، آج محبوبِ کریم کے بھیجے ہوئے رب کے پاس گئے "اور پیارے کا قاصد بھی پیارا ہوتا ہے"۔ اس لئے رب نے انہیں سدرہ سے کہیں آگے بلا لیا معراج میں آگے نہ بڑھے کہ وہاں محب و محبوب کے تخلیہ کا وقت تھا۔ خدّام کو علیحٰدہ رہنا چاہئے تھا۔

یہاں مرقات میں ملا علی قاری حنفی نے بڑا پر لطف مضمون بیان کیا ہے یہ سارا قصہ حضرت جبرائیلؑ کی اس عزت افزائی کے لئے تھا۔

جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ اس سے پہلے لاکھوں پردے ہوا کرتے تھے لیکن آج ایک لاکھ سے بھی کم رہ گئے۔ (مرآت)

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ پردے مخلوق کے لحاظ سے، نہ کہ خالق کے لحاظ سے یعنی مخلوق حجاب میں ہے نہ کہ خالق۔ جیسے نابینا سے سورج چھپا ہوا ہے مگر حجاب اس کی آنکھ پر ہے نہ کہ سورج پر۔ خیال رہے کہ ہم لوگ ظلمانی حجابوں میں ہیں اور فرشتے نورانی پردوں میں۔ (اشعۃ)

☆ حدیث نمبر ۸۲

وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَکَّۃَ وَ ھُوَ بِالْاَ بْطَحِ فِیْ قُبَّۃٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَ رَ اَیْتُ بِلَا لًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَالِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَآءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَاَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدِيِ الْعَنَزَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ باب السترۃ)

☆ترجمہ

حضرت ابی جحیفہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مکے کے ابطح مقام میں چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے وضو کا پانی لیا، اور لوگوں کو دیکھا کہ اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں جس نے اس میں سے کچھ پالیا تو اسے مل لیا، اور جس نے نہ پایا تو اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی، پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا انہوں نے ایک نیزہ لیا اور اسے گاڑ دیا اور نبی ﷺ سرخ جوڑے میں دامن سمیٹے تشریف لائے نیزے کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائیں، اور میں نے لوگوں اور جانوروں کو نیزے کے آگے سے گزرتے دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی ابو جحیفہؓ کا نام وہب ابن عبداللہ عامری ہے۔ آپ بہت نوعمر صحابی ہیں حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ نابالغ تھے ۔ ۷۴ھ کوفہ میں وصال ہوا۔

مکہ شریف کا مقام ابطح جنتِ مُعلّٰی سے آگے منیٰ کی جانب ہے جسے وادی محصَّب اور بَطحا بھی کہا جاتا ہے اور اسی نسبت سے حضور علیہ السلام کو اَبطَحِی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ابطح کے معنی ہیں بجری والا میدان جہاں بارش میں سیلاب آجاتا ہو ۔

حضور علیہ السلام نے خیمہ میں وضو کیا، غسالہ ایک لگن میں گرا ، حضرت بلالؓ وہ پانی کا لگن باہر صحابہؓ کے پاس لائے تاکہ صحابہؓ اس سے برکتیں حاصل کرلیں۔ صحابہ کرامؓ اس غسالہ شریف پر ٹوٹ پڑے لوگ پانی حاصل کرنے اور برکت لینے کے لئے دوڑ رہے تھے کیونکہ وہ پانی حضور علیہ السلام کے اعضاء مبارک سے لگ کر نورانی بھی ہوگیا اور نُور گر بھی۔ پھول سے لگی ہوئی ہوا دماغ کو مہکا دیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے لگا ہُوا پانی روح و ایمان مہکا دے گا۔

جس کو پانی مل گیا اس نے جسم پر مل لیا جسے نہ ملا اس نے تری لی اور اسے اپنے سر اور منہ پر مل لیا۔ (مرآت)

صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ حضرت ابو طیبہؓ نے حضور علیہ السلام کا فصد کیا اور خون نکال کر جائے پھینکنے کے پی لیا۔

یاد رہے ہمارا فضلہ وضو کا پینے کے قابل نہیں کیونکہ وہ ہمارے گناہ لے کر

نکلا ہے۔ حضور ﷺ کا غسالہ متبرک ہے کیونکہ وہ نور لے کر نکلا۔ بعض مرید اپنے مشائخ کا جھوٹا پانی تعظیم سے استعمال کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضور ﷺ کے سرخ جوڑے سے مراد خالص سرخ رنگ میں رنگا ہوا کپڑا نہیں ہے کیونکہ یہ تو مرد کے لئے منع ہے، بلکہ سرخ خطوط سے مخطط کپڑا مراد ہے یا سرخ سوت سے بنا ہوا کپڑا۔

آپ ﷺ نے فجر یا ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں کیونکہ آپ ﷺ مسافر تھے غالباً یہ واقع حجۃ الوداع یا سرۃ القضاء کا ہے۔

راوی کا کہنا کہ سترہ سے آگے لوگوں اور جانوروں کو گزرتے دیکھا۔ امام کا سترہ ساری جماعت کا سترہ ہوتا ہے۔ اس سے آگے سے گزرنا جائز ہے۔ لہٰذا جب جماعت ہو رہی ہو تو مقتدیوں کے آگے سے گزرنا بالکل جائز ہے۔ اور اس میں گناہ نہیں ہے، اس لئے جب اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو پچھلی صف کے آگے سے گزر کر اگلی صف میں جانا بالکل جائز ہے۔ (مرآت)

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ بزرگانِ دین کے جسم سے جو چیز لگ جائے اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو متبرک سمجھ کر ہی اپنے جسموں پر مل لیا اور حضور ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ (فیوض الباری)

واضح رہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک وضو کا غسالہ نجس یعنی پلید ہے۔ اس سے مراد عام لوگوں کے وضو کا غسالہ ہے۔ حضور ﷺ کے وضو کرنے سے جو پانی گرتا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک پاکیزہ اور پاکیزہ کرنے والا ہے، بلکہ حضور ﷺ کے فضلاتِ کریمہ پاک ہیں۔ بزاز، حاکم، بیہقی، طبرانی اور ابو نعیم میں ہے کہ صحابہ

کی ایک بڑی جماعت نے حضور ﷺ کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا جن میں ابو طیبہ ، عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت علیؓ شامل ہیں۔ نیز حاکم ، دار قطنی اور ابو نعیم میں ہے کہ اُمِ ایمن نے حضور ﷺ کا پیشاب پی لیا تھا۔ چنانچہ اُمِ ایمن فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر گھر کی جانب رکھے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا۔ پھر میں رات کو اٹھی میں پیاسی تھی میں نے اس پیشاب کو پی لیا صبح میں نے حضور ﷺ کو رات کا واقعہ بتلا دیا آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ اس کے بعد تمہیں کبھی پیٹ کی بیماری نہیں ہو گی۔ (شرح مسلم از علامہ سعیدی)

☆ حدیث نمبر ۸۳

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ کَانَ مَعَاذُ بْنِ جَبَلٍؓ یُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یَاتِیْ فَیَؤُمُّ قَوْمَهٗ فَصَلّٰی لَیْلَةً مَعَ النَّبِیِّ ﷺ الْعِشَاءِ ثُمَّ اَتٰی قَوْمَهٗ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰی وَحْدَهٗ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَافَقْتَ یَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِیَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَ اِنَّ مَعَاذًا صَلّٰی مَعَکَ الْعِشَاءِ ثُمَّ اَتٰی قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَعَاذٍ فَقَالَ

يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصلوٰۃ)

☆ ترجمہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر آکر اپنی قوم کی امامت کرتے۔ ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشاء پڑھی، پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کر دی، تو ایک شخص پھر گیا کہ اس نے سلام پھیر کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا، لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہو گیا ہے،، بولا نہیں،، رب کی قسم میں نبی ﷺ کی خدمت میں جاؤنگا اور آپ ﷺ کو یہ خبر دونگا پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اونٹ والے ہیں دن بھر کام کرتے ہیں اور حضرت معاذؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے سورۃ بقرہ شروع کر دی، تب حضور رسول کریم ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے معاذ! کیا تم فتنہ گر ہو؟ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھا کرو۔

(بخاری و مسلم)

☆ تشریح

ظاہر یہ ہے کہ حضرت معاذؓ حضور ﷺ کے ساتھ نفل پڑھ لیتے تھے، پھر اپنی قوم میں آکر انہیں فرض پڑھاتے تھے۔ کیونکہ یہاں یہ ذکر نہیں کہ آپؓ پہلے

فرض پڑھ لیتے تھے اور بعد میں نفل- نیز یہ فعل حضرت معاذؓ کا ہے اور راوی حضرت جابرؓ ہیں، اور کسی کی نیت صرف اندازے سے معلوم نہیں ہو سکتی اور اگر معاذؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ فرض ہی پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ بھی فرض ہی پڑھتے تھے اور یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب ایک فرض دوبار پڑھے جاتے تھے- بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا- چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایک فرض دوبار پڑھنے سے منع کیا گیا- اور اگر آپ حضور علیہ السلام کے پیچھے فرض ہی پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کے ساتھ نفل تو یہ آپؓ کا اجتہادی عمل ہے جس کی حضور علیہ السلام کو اطلاع نہیں دی گئی تھی- اطلاع ہونے پر حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمادیا- چنانچہ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی کہ جب حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے معاذ، تم فتنہ گر نہ ہو یا تو میرے ہی ساتھ نماز پڑھا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو- بہر حال یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں اور اس سے ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کے نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز ہو، لیکن خیال رہے کہ فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز جائز ہے- نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز نہیں ہے- کیونکہ ترمذی، ابو داؤد اور احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ،، اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ ،، امام ضامن ہے یعنی مقتدی کی نماز امام کے ضمن میں ہے اور ظاہر ہے کہ فرض ، نفل کو اپنے ضمن میں لے سکتا ہے نہ کہ نفل فرض کو- (لمعات)

ایک صاحب نے جماعت سے نماز شروع کی مگر جب حضرت معاذؓ نے سورۃ بقرہ شروع کی تو وہ سمجھ گئے کہ آپؓ پوری سورۃ بقرہ پڑھیں گے تو وہ نماز توڑ کر جماعت سے نکل گئے اور علیٰحدہ فرض پڑھ کر چلے گئے یہ صاحب خرام ابن ابی کعب

انصاریؓ ہیں۔ (مرقات)

حدیث پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت سے علیحدہ رہنا منافقت کی علامت ہے۔ خواہ نماز علیحدہ پڑھے خواہ الگ بیٹھا رہے۔ دوسرا یہ کہ مقتدیوں پر امام کا احترام لازم ہے، حتی الامکان ان پر زبان طعن دراز نہ کریں دیکھو حضرت خرام اور دوسرے صحابہؓ نے حضرت معاذؓ سے لڑائی شروع نہ کر دی بلکہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت پیش کی، حضور ﷺ نے انہیں سمجھایا۔

تیسرا یہ کہ امام مسجد کی شکایت سلطانِ اسلام یا قاضیِ اسلام سے کر سکتے ہیں کہ وہ امام کو سمجھا بجھا دیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں سنت صحابہؓ سے ثابت ہے۔

نَوَاضِحُ نَاضِحَہ کی جمع ہے ناضح وہ اونٹنی ہے جو کھیتوں کو پانی دے خواہ اس طرح کہ رہٹ چلائے یا اس طرح کہ دور سے پانی اس پر لاد کر لایا جائے اور کھیتوں میں پھینکا جائے، شکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم لوگ دن بھر کام کاج کے باعث تھک جاتے ہیں رات کو لمبی قرات سے نماز نہیں پڑھ سکتے۔

ظاہر یہ ہے کہ شکایت حضرت معاذؓ کی موجودگی میں ہوئی اور اگر ان کے پس پشت ہوئی تو غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے جیسے استاد سے بعض شاگردوں کی شکایت کرنا۔

حضور ﷺ نے معاذؓ کو فرمایا کہ چونکہ تمہارے پیچھے کاروباری لوگ بھی ہوتے ہیں اور محنت مزدوری کرنے والے بھی لہٰذا انہیں نماز مختصر پڑھایا کرو اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

ا۔ مقتدی بوقتِ ضرورت نماز توڑ سکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان

صاحب پر نماز توڑنے کی وجہ سے عتاب نہ فرمایا ، یہ بھی نہ فرمایا کہ تم نے وہ نماز پڑھ لی ہوتی ، پھر مجھ سے شکایت کی ہوتی۔

۲- نماز توڑنا ہو تو پھر سلام پھیر دے کہ یہ سلام اگرچہ بے وقت ہے مگر اسے نماز سے خارج کر دے گا اور اگر یونہی بغیر سلام نماز سے پھر جاوے تب بھی درست ہے۔

۳-امام پر لازم ہے کہ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھے تاکہ لوگ جماعت سے بد دِل نہ ہو جائیں۔

خیال رہے کہ یہاں حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو خلاف ترتیب سورتیں پڑھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ بطور مثال ان سورتوں کا ذکر فرمایا کہ ان جیسی سورتیں اور آیتیں پڑھ لیا کرو۔ (مرآت)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا کہ میں صرف اس وجہ سے فجر کی نماز میں پیچھے رہتا ہوں کہ فلاں صاحب ہم پر نماز کو لمبا کر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ غصہ ہوئے اور پھر فرمایا اے لوگو تم میں سے بعض لوگوں کو دین سے متنفر کرنے والے ہیں پس جو کوئی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھائے ، کیونکہ اس کے پیچھے ضعیف ، بوڑھے اور کام کاج والے ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کا خیال رکھے تا کہ ضعیف ، بیمار اور حاجتمندوں کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن یہ مطلب نہیں کہ غیر مسنون طریقہ سے نماز پڑھائے۔ حضور ﷺ مقتدیوں کے خیال سے چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے مگر رکوع و سجود ، قومہ و جلسہ اطمینان سے ادا فرماتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کی

☆ حدیث نمبر ۸۴

وَعَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مشکوٰۃ باب السجود و فضلہ)

☆ ترجمہ

حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گذارتا تھا تو میں آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی اور ضروریات لایا مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لو، میں نے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ مانگتا ہوں، فرمایا اس کے سوا کچھ اور بھی میں نے عرض کیا بس یہی ۔ فرمایا اپنی ذات پر زیادہ سجدوں سے میری مدد کرو۔ (مسلم)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو فراس ہے، اسلمی ہیں۔

اصحاب صفہ میں سے تھے - پرانے صحابی ہیں - سفر و حضر کے حضور علیہ السلام کے خاص خادم ہیں - ۶۳ھ میں انتقال ہوا - حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ سفر میں رات کی خدمت خصوصیت سے میرے سپرد تھی اور اگر گھر مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ رات بھر آپ علیہ السلام کے دروازے پر موجود رہتے اگر حضور علیہ السلام کو خدمت کی ضرورت ہوتی تو بجالاتے - ایک رات حسب معمول تہجد کے وقت وضو کا پانی، مسواک اور مصلیٰ لے کر خدمت میں حاضر ہوا بعض نسخوں میں اتیہ ہے یعنی لایا کرتا تھا -

ایک رات شان کریمی کی جلوہ گری ہوئی اور دریائے رحمت جوش میں آگیا مجھے انعام دینے کا ارادہ فرمایا -

اس جگہ صاحب مرقات اور صاحب لمعات فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو - معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام باذن الٰہی اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں - دین و دنیا کی جو نعمت جسے چاہیں دیں، بلکہ حضور علیہ السلام احکام شرعیہ کے بھی مالک ہیں، جس پر جو احکام چاہیں نافذ کریں - مثلاً حضرت خذیمہ ابن ثابت کی گواہی دو گواہوں کی مثل قرار دی (بخاری) ام عطیہ کو ایک مرتبہ نوحہ (نوحہ بلند آواز سے رونے کو کہتے ہیں) کی اجازت فرمائی (مسلم) ابی بردہ ابن نیار کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کی اجازت فرمائی، اللہ نے جنت کی زمین کا آپ علیہ السلام کو مالک بنادیا جسے چاہیں دیں - (مرقات)

حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ مجھے آپ علیہ السلام جنت میں اپنے ساتھ رکھیں جیسے بادشاہ شاہی قلعہ میں اپنے خاص خادموں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں - خیال رہے کہ حضرت ربیعہ نے اس جگہ حضور علیہ السلام سے صرف جنت ہی طلب نہ کی بلکہ حسب

ذیل چیزیں مانگیں۔

۱-زندگی میں ایمان پر استقامت - ۲-نیکیوں کی توفیق

۳-گناہوں سے کنارہ کشی- ۴-مرتے وقت ایمان پر خاتمہ

۵-قبر کے حساب میں کامیابی- ۶-حشر میں اعمال کی قبولیت

۷-پل صراط سے خیریت گزر- ۸-جنت میں رب کا فضل

۹-جنت میں بلند مرتبہ- بلکہ

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات

مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

یہ مذکورہ تمام چیزیں صحابی نے حضور علیہ السلام سے مانگیں اور حضور علیہ السلام نے عنایت فرمادیں- لہٰذا ہم بھی حضور علیہ السلام سے ایمان، مال، اولاد، عزت، جنت سب کچھ مانگ سکتے ہیں- یہ مانگنا سنت صحابہؓ ہے- حضور علیہ السلام کے لنگر سے یہ سب کچھ قیامت تک بٹتا رہے گا- اور ہم بھکاری لیتے رہیں گے- صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت ربیعہؓ نے حضورؐ سے حضور علیہ السلام کو ہی مانگا- مگر چونکہ حضرت علیہ السلام جنت میں ہی ملیں گے لہٰذا جنت کا بھی ذکر کردیا-

سرکار علیہ السلام نے گویا صحابی کو فرمایا کہ تمہاری یہ درخواست منظور ہے، کچھ اور بھی چاہتے ہو- عرض کیا "جب چمنِ الٰہی کا پھول مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے" کسی نے کیا اچھا کہا ہے-

جہانے مختصر خواہم کہ آنجا

ہمیں جائے من و جائے تو باشد

ترجمہ = میں ایک مختصر جہاں چاہتا ہوں، یہی کہ ایک میری اور ایک تیری

جگہ ہو۔

سرکار علیہ السلام نے فرمایا جنت میں تمہیں اعلیٰ مقام پر پہنچانا میرے کرم سے ہے، نہ کہ محض تمہارے سجدوں سے تم اپنے سجدوں سے مجھے اس کام میں امداد دو۔

عَلٰى نَفْسِكَ فرما کر اشارۃ فرمایا گیا کہ نفس کی مخالفت جنت کا ذریعہ ہے۔

(مرقات)

کثرتِ سجود سے بتایا گیا کہ فقط نماز پنجگانہ پر کفایت نہ کرو بلکہ نوافل کثرت سے پڑھو، تاکہ میرے قرب کے لائق ہو جاؤ۔ جیسے بادشاہ کہے کہ میرے پاس آنا ہے تو اچھا لباس پہنو، حاضری بادشاہ کے کرم سے ہے اور اچھا لباس دربار کے آداب میں سے ہے۔

ـ مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں (مرآت)

اس جگہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں (فارسی عبارت کچھ اس طرح ہے)

"واز اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔"

ترجمہ = آپ علیہ السلام نے سوال کے مطلق ہونے کے بارے میں فرمایا کہ پوچھ، اور پوچھ کچھ کو کسی مقصود سے مخصوص نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ علیہ السلام کی ہمت اور کرامت کے ہاتھوں میں ہیں، آپ علیہ السلام جو چاہتے ہیں اور جس کسی کے لئے چاہتے ہیں اپنے رب کے حکم سے دیتے ہیں۔

ـ فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ = کیونکہ دنیا اور اس کی سوکن (آخرت) آپ کی سخاوت میں سے ہیں، اور لوح اور قلم کے علوم آپ کے علوم میں سے ہیں۔

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاؤ ہر چہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ = اگر تجھے دنیا اور آخرت کی خیریت کی خواہش ہے تو آپ ﷺ کی درگاہ میں آجا، جو چیز بھی چاہتا ہے اس کی آرزو کر (مانگ لے) (اشعۃ)

☆ حدیث نمبر ۸۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ رَوَاهُ النَّسَائِیّ

(مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی و فضلها)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اپنے گھر قبور نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو۔ (نسائی)

☆ تشریح

یعنی گھروں میں مردے دفن نہ کرو، باہر جنگل میں دفن کرو۔ اپنے گھر میں دفن ہونا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے یا اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح اللہ کے ذکر سے خالی مت رکھو بلکہ فرائض مسجدوں میں ادا کرو اور نوافل گھر میں۔

جس طرح عیدگاہ میں سال میں صرف دوبار جاتے ہو ایسے میرے مزار پر نہ آؤ۔ بلکہ اکثر حاضری دیا کرو یا جیسے عید کے دن کھیل کود کے لئے میلوں میں جاتے ہو ایسے تم ہمارے روضہ پر بے ادبی سے نہ آیا کرو بلکہ باادب رہا کرو۔

فرمان عالی کہ "تم جہاں بھی ہو تمہارا درُود مجھ تک پہنچتا ہے"۔ یہاں صاحبِ مرقات ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ ارواحِ قدّسیہ بدن سے نکل کر ملائکہ کی طرح ہو جاتی ہیں کہ وہ سارے عالم کو کفِ دست کی طرح دیکھتی ہیں اور ان کے لئے کوئی شے حجاب نہیں رہتی۔

اسی طرح اشعۃ اللمعات میں شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی نے بھی اسی کی مثل بیان فرمایا۔

لہٰذا اس حدیثِ مبارک کے معنی یہ ہوئے کہ تم جہاں بھی ہو تمہارے درُود کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے جب آج کل بجلی کی طاقت سے وائرلیس اور ریڈیو کے ذریعے ہزاروں میل کی آواز سن لی جاتی ہے یا جس طرح آج ڈش انٹینا کے ذریعے پوری دنیا کی معلومات نہ صرف سنی جاسکتی ہیں بلکہ آنکھوں کے سامنے موجود نظر آتی ہیں تو اگر طاقت نبوت سے درُود کی آواز سن لی جائے تو کیا بعید ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صدہا میل سے پیراہن حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پائی،

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی حالانکہ آج تک کوئی طاقت چیونٹی کی آواز نہ سنا سکی۔ معلوم ہوا کہ ہمارے حضور ﷺ جو سید الانبیاء ہیں جن کی خاطر کائنات معرض وجود میں آئی اور آپ ﷺ درود خوانوں کی آواز ضرور سنتے ہیں۔

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۸۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

(مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ و فضلها)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس کی ناک گرد آلود ہو جس پر رمضان آئے اور پھر اس کی بخشش سے پہلے گذر جائے۔ اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا

پائے اور اسے جنت میں نہ پہنچائیں۔ (ترمذی)

☆ تشریح

یعنی ایسا مسلمان ذلیل و خوار ہو جائے جو میرا نام سن کر درود نہ پڑھے عربی میں اس بد عا سے مراد اظہار ناراضگی ہوتا ہے۔ حقیقتاً بد عا مراد نہیں ہوتی۔ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں اگر چند بار حضور ﷺ کا نام شریف آئے تو ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ مگر یہ استدلال کمزور سا ہے کیونکہ رَغِمَ اَنْفَ ہلکا کلمہ ہے۔ جس سے درود کا استحباب (یعنی مستحب ہونا) ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ کہ وجوب مطلب یہ ہے کہ جو بلا محنت دس رحمتیں ، دس درجے، دس معافیاں حاصل نہ کرے بڑا بے وقوف ہے۔

وہ مسلمان بھی ذلیل و خوار ہو جائے جو رمضان کا مہینہ پائے اور اس کا احترام اور عبادات کر کے گناہ نہ بخشوائے، یونہی وہ بھی خوار ہو جس نے جوانی میں والدین کا بڑھاپا پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنتی نہ ہوا۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ بڑھاپے میں اولاد کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت کی دعا اولاد کا بیڑا پار کر دیتی ہے۔ خیال رہے کہ تینوں چیزیں صرف مسلمان کے لئے ہی ہیں کافر کسی نیکی سے جنتی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض نیکیوں کی وجہ سے اسے ایمان لانے کی توفیق مل جاتی ہے اور بعض کی برکت سے اس کا عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۸۷

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبْعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا یَکْفِیْ ھَمَّکَ وَیُکَفِّرُ لَکَ ذَنْبَکَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

(مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

☆ ترجمہ

حضرت ابی کعبؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ پر بہت درود پڑھتا ہوں، تو کتنا درود مقرر کروں فرمایا جتنا چاہو میں نے کہا، چہارم فرمایا جتنا چاہو، اگر بڑھا دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا آدھا۔ فرمایا جتنا چاہو اگر بڑھالو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو۔ لیکن اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا میں سارا درود ہی پڑھونگا، فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہوگا اور تمہارے گناہ مٹادے گا۔

(ترمذی)

☆ تشریح

بعض شارحین فرماتے ہیں کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعائیں ہیں۔ سوال کا مقصد یہ ہے کہ میرے لئے حد مقرر فرمادی جائے کہ اپنے تمام وظائف میں درُود کتنا پڑھوں اور باقی ذکر اذکار اور دعائیں کتنی۔

مَا شِئْتَ فرماکر بتادیا کہ زیادتی درُود نفل ہے۔ نفل میں متعین کرنے کا حق بندے کو ہوتا ہے۔ راوی کے چہارم یا نصف فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام وظائف کا تہائی یا نصف درُود پڑھوں باقی سارے وظیفے۔ جواب ملا کہ درُود جتنا بڑھاؤ گے اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

راوی نے عرض کیا میں سارے ورد و وظائف اور دعائیں چھوڑ کر سب کی بجائے درُود ہی پڑھوں گا کیونکہ اپنے لئے دعائیں مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر وقت آپ ﷺ کو دعائیں دیا کروں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تمہاری دین و دنیا دونوں سنبھل جائیں گی۔ دنیا میں رنج و غم دفع ہوں گے اور آخرت میں گناہوں کی معافی ہوگی۔ اسی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ جو تمام دعائیں وظیفے چھوڑ کر ہمیشہ کثرت سے درُود شریف پڑھا کرے تو اسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا۔ اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر درُود پڑھنا در حقیقت رب سے اپنے لئے بھیک مانگنا ہے، ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعائیں دے کر ہم سے مانگتے ہیں۔ ہم رب کے بھکاری ہیں اس کے حبیب ﷺ کو دعائیں دے کر اس سے

بھیک مانگیں۔ ہمارے درود سے حضور علیہ السلام کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہوتا ہے۔ (مرآت)

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کے مجھے عبد الوہاب متقی جب بھی مدینہ منورہ سے وداع کرتے تو فرماتے کہ سفر حج میں فرائض کے بعد درود سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں۔ اپنے سارے اوقات درود میں گھیر دو اور اپنے کو درود کے رنگ میں رنگ لو۔ (اشعۃ)

☆☆☆☆☆

☆ حدیث نمبر ۸۸

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَابْنِ حَبَّانَ وَ طِبْرَانِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

☆ ترجمہ

حضرت رافع بن خدیج روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا

کہ نماز فجر اجالا (روشنی) کرکے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔

(نسائی ، ابن ماجہ ، بیہقی ، ابن حبان ، ابو داؤد ، طبرانی اور ترمذی ، اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

☆ تشریح

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جائے ، اس ضمن میں بہت احادیث شاہد ہیں ، نیز حنفیوں کے نزدیک بھی بہتر یہی ہے کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جائے۔

مذکورہ حدیث شریف میں اجالا کرنے سے مراد خوب روشنی پھیل جانا مراد ہے۔ ابو داؤد ، ابن ابی شیبہ اور طبرانی وغیرہ نے رافع بن خدیج سے ہی ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اے بلالؓ! نماز صبح میں اجالا کر لیا کرو۔ یہاں تک کہ لوگ اجالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔ اجالا سے مراد خوب روشنی ہے۔

اسی طرح دیلمیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ وَقَلْبِہٖ وَقُبِلَ فِیْ صَلٰوتِہٖ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے گا ، ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے)

فقہ کی کتاب نورالایضاح کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فجر طلوع آفتاب

سے بیس منٹ پہلے ادا کرنا مستحب ہے- نیز ہدایہ اولین نے بھی اسفار کی حدیث نقل کی ہے-

طحاوی شریف نے حضرت علی لن ربیعہؒ سے روایت کی قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ يَا قَنْبَرُ اَسْفِرْ اَسْفِرْ (فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا، کہ فرماتے تھے اے قنبر! اجالا کرو) معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ خوب روشنی میں نماز فجر پڑھتے تھے-

حضرت مفتی احمد یار نعیمیؒ نے جاء الحق میں 129 احادیث نقل فرمائی ہیں جن سے نماز فجر کا اسفار کرنا ثابت ہوتا ہے-

بہر حال معلوم ہوا کہ اجالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہؓ اور صحابہ کرامؓ کا اتفاقی عمل ہے-

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ چند وجوہات ذیل کی وجہ سے فجر نماز اجالے میں پڑھی جائے -

۱- فجر کے لغوی معنی اجالا اور روشنی کے ہیں، لہٰذا نماز فجر اجالے میں پڑھنے سے نام کام کے مطابق ہوگا جبکہ غلس (اندھیرے) میں پڑھنا نام کے مخالف ہوگا-

۲- اجالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت بعض لوگ سنتوں کے بعد استغفار وغیرہ پڑھتے ہیں-

۳- اول وقت فجر کی جماعت کر لینے سے بہت سے لوگ جماعت یا تکبیر اولی سے رہ جاتے ہیں ، جبکہ اجالے میں پڑھنے سے تمام نمازی شرکت کر سکتے

ہیں۔

۴۔جس چیز سے جماعت گھٹ جائے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے، جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو وہ بہتر ہے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو دراز قرات سے اس لئے منع فرمایا کہ مقتدیوں پر بار ہوتی ہے۔

۵۔اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے جبکہ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ۔ نیز اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا بھی دشوار ہوگا۔

۶۔کچھ لوگ فجر پڑھ کر اسی جگہ ذکر اذکار کرتے رہتے ہیں اور سورج طلوع ہونے کے بعد نماز اشراق پڑھتے ہیں ان کے لئے بھی فجر اجالے میں پڑھنا مفید ہے کیونکہ اندھیرے میں پڑھنے سے ان کا زیادہ دیر باوضو اپنی جگہ بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے۔

معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ نماز تہجد کے بعد سنتیں پڑھ کر سو جاتے پھر دوبارہ حضرت بلالؓ حاضر ہو کر نماز فجر کی اجازت طلب کر کے تکبیر پڑھتے۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فجر اجالے میں پڑھتے تھے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو فجر جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے تو اسے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی)

فرمان رسول ﷺ کے مطابق حج اور عمرے کا ثواب پانے کے لئے مناسب

یہی ہے کہ فجر خوب اُجالے میں پڑھی جائے۔

اکثر مشائخ عظام کا بھی یہی معمول دیکھا ہے کہ وہ فجر اُجالے میں ادا کرتے ہیں۔خیال رہے فجر کا سارے کا سارا وقت افضل اصل ہے۔اس میں کراہت نہیں۔

فصل الخطاب حصہ اول میں مسلم شریف کی روایت حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فجر ادا کر کے مصلے پر تشریف فرما رہتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔معلوم ہوا کہ نمازِ فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھے رہنا سنت ہے۔نبی کریم ﷺ کی اس پیاری سنت پر عمل اسی صورت آسان ہو سکتا ہے کہ فجر اُجالے میں پڑھی جائے۔

فیوض الباری میں سید محمود احمد رضوی طحاوی کی حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام نے وَصَلَّى الصُّبْحَ حِيْنَ كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَطْلُعَ (صبح کی نماز اس وقت پڑھی کہ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے)

نیز دوسری حدیث مسلم، ترمذی، طحاوی کی روایت ہے کہ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اوقاتِ نماز پوچھے تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ نماز پڑھو۔تو آپ ﷺ نے نمازِ فجر پڑھی اور اسفار کیا۔وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ۔ (فیوض الباری شرح بخاری)

ہاں اگر کوئی غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھتا ہے تو یہ بھی خلافِ سنت نہیں یہ افضلیت میں بحث ہے۔ واللہ اعلم

☆ حدیث نمبر ۸۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجٰتِ الْعُلٰى وَالنَّعِیْمِ الْمُقِیْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا یُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّیْ وَ یَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَ یَتَصَدَّقُوْنَ وَ لَا نَتَصَدَّقُ وَ یُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَیْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدِكُمْ وَلَا یَكُوْنَ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَ تُكَبِّرُوْنَ وَ تُحَمِّدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَ ثَلٰثِیْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِیْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَلَیْسَ قَوْلُ اَبِیْ صَالِحٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیْ تُسَبِّحُوْنَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّ

تُحَمِّدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ -

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مہاجر فقراء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ مالدار بڑے درجے اور دائمی نعمت لے گئے فرمایا یہ کیسے؟ عرض کیا جیسے ہم نمازیں پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں اور وہ خیرات کرتے ہیں، ہم نہیں کرتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کرتے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھاؤں جس سے تم آگے والوں کو پکڑ لو اور پیچھے والوں سے آگے بڑھ جاؤ- اور تم میں سے کوئی افضل نہ ہو- اس کے سوا جو تم جیسے کام کرے بولے ہاں یا رسول اللہ ﷺ- فرمایا ہر نماز کے بعد 33 ، 33 بار تسبیح، تکبیر اور حمد کرو- ابو صالحؒ کہتے ہیں کہ پھر مہاجر فقراء حضور ﷺ کی خدمت میں لوٹے اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو انہوں نے بھی یونہی کیا، تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے- (بخاری و مسلم)

ابو صالحؒ کا قول صرف مسلم کی روایت میں ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار حمد اور دس بار تکبیر کہو بجائے 33 بار کے-

☆تشریح

فقراء مہاجرین کہنے لگے کہ مالدار ہمارے مقابلے میں درجات میں بڑھ

گئے اور جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے مستحق ہو گئے۔اس میں نہ تو رب کی شکایت ہے اور نہ مالداروں پر حسد، بلکہ ان پر رشک ہے اور دینی چیزوں میں رشک جائز ہے یعنی دوسروں کی سی نعمت اپنے لئے بھی چاہنا۔یہ ہے رشک، حسد حرام ہے یعنی دوسروں کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا۔ فقراء مہاجرین نے کہا کہ بدنی عبادتوں میں وہ ہمارے برابر ہیں اور مالی عبادتوں میں ہم سے بڑھ کر۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ شاکر غنی صابر فقیر سے افضل ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل، کیونکہ رب نے فرمایا اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے، اور فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی شکر سے نعمتیں ملتی ہیں اور صبر سے اللہ تعالیٰ ملتا ہے۔

حدیثِ پاک میں آگے پیچھے سے درجوں میں آگے پیچھے ہونا مراد ہے نہ کہ زمانہ میں۔یعنی جو صحابہ کرامؓ تم سے درجہ میں بڑھ گئے ہیں، ان کلمات کی وجہ سے، تم ان کے برابر ہو جاؤ گے اور جو تمہارے برابر ہیں اور یہ کلمات نہیں پڑھتے، ان سے تم بڑھ جاؤ گے، ورنہ غیر صحابی کتنی ہی نیکیاں کریں صحابی کی گردِ قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔کیونکہ وہ صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ ﷺ ہیں۔حضرت جبرائیلؑ سارے فرشتوں سے افضل، کیونکہ وہ خادمِ انبیاء ہیں۔تو صحابہ کرامؓ انبیاءؑ کے بعد ساری مخلوق سے افضل کیونکہ وہ خادمِ جناب مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

؎ یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰؐ

بہتر از لکھ سالہ طاعتِ بے ریا

ترجمہ۔ حضور مصطفیٰ ﷺ کی ایک گھڑی صحبت کرنا، لاکھ سالہ عبادت بے ریا سے بہتر ہے۔

فرمایا جو غنی صحابی یہ پڑھے گا وہ تم سے افضل ہو جائے گا۔ اور فرمایا کہ نماز پنجگانہ کے بعد 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 33 بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو یہ تسبیح فاطمہؓ کہلاتی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے تقریباً یہی تسبیح حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بتائی تھی۔ اسی بناء پر آج تسبیح کے دانوں میں 33 دانوں پر ایک نائب امام ڈالا جاتا ہے۔

خیال رہے کہ ظہر، مغرب اور عشاء میں یہ تسبیح سنتیں وغیرہ پڑھ کر پڑھی جائے گی۔

فقراء مہاجرین کا دوبارہ مدعا یہ تھا کہ اب کوئی اور خفیہ عمل بتایا جائے، یہ راز تو کھل گیا کہ وہ بھی یہی کچھ کرنے لگے۔

فرمایا اب تم صبر کرو اور رب کے دیے پر راضی رہو یہ غبط (رشک) بھی عبادت ہے اور تم اس پر صبر کر کے بڑا درجہ پاؤ گے۔

خیال رہے پہلی روایت جس میں 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 33 یا 34 بار اللہ اکبر ہے۔ یہ زیادہ قوی ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا جو ہر نماز کے بعد 33 بار تسبیح، 33 بار حمد الٰہی اور 33 بار تکبیر کہہ لیا کرے تو یہ 99 ہوئے اور 100 پورا کرنے کے لئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۔

(مرآت)

شارح بخاری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں امیر بھی تھے اور غریب بھی

اور دولت مند بھی، فرائض کے علاوہ امور خیر یعنی جہاد ، فقیروں مسکینوں کی مالی مدد وغیرہ میں بھی حصہ لیتے تھے-اس لئے غرباء کو رشک ہوا کہ امیر صحابہؓ نے ہم سے زیادہ ثواب حاصل کر لئے ، تب رسول کریم ﷺ نے تسبیح فاطمہؓ پڑھنے کا حکم فرمایا کہ یہ وظیفہ پڑھنے سے تم کو بھی ان کے برابر ثواب مل جائے گا- سوائے اس کے کہ وہ بھی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کر دیں- جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کی ، یا حضور ﷺ امیروں نے بھی یہ وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا ہے- اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کر دے) (فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۹۰

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمُ السَّقِیْمَ وَالضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِہٖ فَلْیُطَوِّلْ مَا شَآءَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

(مشکوٰۃ باب ما علی الامام)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی کرے کہ ان میں بیمار اور کمزور اور بوڑھے ہیں اور جب اکیلا پڑھے تو جتنی چاہے دراز کرے۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

افسوس کہ اب عوام کے اماموں کا حال اس حدیث کے برعکس ہے کہ اکیلی نماز مختصر پڑھتے ہیں اور جماعت کی نماز بہت لمبی، خدا ہدایت دے۔

حضرت قیس ابن حازمؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے ابو مسعودؓ نے خبر دی کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ خدا کی قسم میں فلاں کی وجہ سے نماز فجر سے پیچھے رہتا ہوں کیونکہ وہ بہت دراز کرتے ہیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس دن سے زیادہ کسی وعظ میں غضبناک نہ دیکھا۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ نفرت والے ہیں۔ جو کوئی بھی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر کرے۔ کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور کام کاج والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام کے قصور کی بناء پر اگر کوئی شخص جماعت چھوڑ دے تو گنہگار وہ نہیں بلکہ امام ہے۔ نیز حاکم یا بزرگ کے سامنے امام کی شکایت کر دینا جائز ہے نہ یہ غیبت ہے اور نہ امام سے سرتابی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم امام کی اصلاح کر سکتا ہے۔

حضرت عثمان ابن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا تھا وہ یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں، فرمایا قریب آؤ، مجھے اپنے سامنے بٹھایا اپنا ہاتھ میرے سینے پر دو پستانوں کے درمیان رکھا پھر ہاتھ مبارک میری پیٹھ میں دو کندھوں کے درمیان رکھا، پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو- جو کسی قوم کا امام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بوڑھے بیمار، کمزور اور کام کاج والے ہیں اور جب کوئی نماز اکیلے پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے-

(مسلم)

حضور ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے حضرت عثمان ابن ابی العاصؓ کے دل کی ساری بیماریاں جاتی رہیں، جرات و ہمت پیدا ہوئی تب یہ حکم دیا گیا، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ہاتھ مبارک دافع البلاء، مشکل کشا ہے- کیوں نہ ہو جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بیماریاں دور کر سکتی ہے تو سید الانبیاء ﷺ کا ہاتھ بلکہ آپ ﷺ کا لعاب دہن آپ ﷺ کے تبرکات قلب و قالب کی تمام بیماریاں ایک آن میں دفع کر سکتے ہیں ان کے سہارے سے کمزور طاقتور ہو جاتے ہیں اور کم ہمت دلیر -

نسائی میں حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِیْفِ وَیَؤُمُّنَا بِالصَّافَاتِ (نبی کریم ﷺ ہم کو ہلکی نماز کا حکم دیتے تھے اور خود صافات سے ہماری امامت کرتے تھے)

یعنی حضور ﷺ بہت لمبی نماز پڑھاتے تھے، وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کی قرات میں ایسی دلکشی اور جاذبیت تھی کہ صحابہؓ پر لمبی نماز بھی ہلکی ہوتی تھی اور ان حضرات پر ایسا فیضان ہوتا تھا کہ بیمار اپنی بیماری بھول جاتے تھے- کام کاج والے اپنی حاجات فراموش کر دیتے تھے اور کمزور طاقتور بن جاتے تھے، لہٰذا حضور ﷺ کے

احکام اور ہیں ہمارے اور۔ (مرآت)

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ اس وقت صحابہؓ کے ذوق کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ ایک رکعت میں تمام عمر گزر جائے۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے وہ چہرہ دیکھا، مبارک ہیں وہ کان جنہوں نے خدا بھاتی آواز سنی (مرقات)

خیال رہے اس حدیث مبارک میں عام حالات کا ذکر ہے ورنہ بعض خصوصی حالات میں حضور ﷺ نے نمازیں مختصر بھی پڑھائی ہیں۔ (مرآت)

شارح بخاری سید محمود احمد رضوی فرماتے ہے کہ جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو مرضی سے طول دے سکتا ہے مگر امامت میں سنت پر عمل کرتے ہوئے طوالت نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لمبی نماز پڑھانے پر تعزیر بالکل جائز ہے۔ اور جب دینی کاموں میں کوئی منکر نظر آئے تو غضب کا اظہار بھی جائز ہے۔

(فیوض الباری)

شارح مسلم لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی قرات سے صحابہؓ کو اس قدر کیف و سرور آتا تھا کہ کمزوروں کو اپنی کمزوری، بیماروں کو بیماری، حاجتمندوں کو حاجتیں بھول جاتی تھیں، ان کی آرزو ہوتی تھی کہ ہماری عمر قیامت تک ہو اور حضور ﷺ کے پیچھے ایک ہی رکعت میں عمر تمام ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ مقتدیوں پر رعایت کرتے ہوئے قرات کم کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت مصطفے ﷺ ہے۔ (شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۹۱

وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِی بَکْرٍ یُصَلِّیْ یَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَکَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِکَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَکَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا بَکْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِکَ شَیْئًا

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ

(مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الّیل)

☆ ترجمہ

حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے اور ابو بکر صدیقؓ تک پہنچے وہ نماز پڑھ رہے تھے، بہت پست آواز سے

اور حضرت عمرؓ پر گزرے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے بلند آواز سے- راوی فرماتے ہیں کہ جب یہ دونوں حضور علیہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے تو فرمایا ،اے ابو بکرؓ! ہم تم پر گزرے تو تم پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے-آپؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جس سے مناجات کر رہا تھا اسے سنا لیا- حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ہم تم پر گزرے تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے ، عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا- فرمایا حضور نبی کریم ﷺ نے اے ابو بکرؓ تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کچھ پست کرو-

(ابو داؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی ہے)

☆تشریح

حضور ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے شب کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے- معلوم ہوا کہ سلطان کا رات میں گشت لگانا تاکہ رعایا کے حالات معلوم کرے سنت ہے-اسی طرح استاد و شیخ کا اپنے شاگردوں ، مریدوں کے حالات کی تفتیش کرنا مسنون ہے- اور حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کی یہ گشت اب بھی جاری ہے-اپنی امت کے حالات ملاحظہ فرمانے کے لئے دنیا میں گشت فرماتے ہیں- صوفیاء نے بعض دفعہ مشاہدہ بھی کیا ہے اور کرتے ہیں-

حضرت ابو بکر صدیقؓ نماز تہجد میں قرات نہایت آہستہ کر رہے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ خوب اونچی آواز میں قرات کر رہے تھے-صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ پر طریقت کا غلبہ ہے اور حضرت عمرؓ پر شریعت کا غلبہ ہے-

حضرت صدیق اکبرؓ نے سرکار دو جہاں ﷺ کے پوچھنے پر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ رب تعالیٰ کو سنانا مقصود تھا-وہ تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے، فرماتا ہے فَاِنَّہٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی (اور اسے بھی جانتا ہے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے) پھر جہر کی کیا حاجت ہے-

حضرت عمرؓ نے جواباً عرض کیا کہ میں تہجد میں ربِ تعالیٰ کو سنانے کے علاوہ دو کام اور بھی کر رہا تھا، سوتوں کو جگانا، تاکہ میری آواز سن کر جاگ جائیں ، اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا کہ جہر کی برکت سے شیطان مجھے وسوسہ میں نہ ڈال سکے-اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کریم کی آواز سے بھی بھاگتا ہے-یہ حدیث شریف ذکرِ جہر کرنے والے صوفیاء کی بھی دلیل ہے، اور ذکر خفی والوں کی بھی دلیل ہے-دونوں اللہ کے پیارے ہیں نیّت سب کی اچھی ہے -

خَیْرَ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (کاموں میں بہتر میانہ روی کا کام ہے)

سرکار ﷺ نے حکم فرمایا کہ نہ تو اتنی بلند قرات کرو کہ دوسروں کو تکلیف ہو نہ اتنی آہستہ کہ بالکل پتہ ہی نہ لگے-دونوں صاحب درمیانی روش اختیار کرو-ربِّ تعالیٰ فرماتا ہے وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا (اور ڈھونڈلو ان دونوں کے بیچ میں کوئی راستہ)-

اے صدیقؓ خالق کو سنانے کے ساتھ مخلوق کو اپنی قرات سے فائدہ پہنچاؤ اور اے عمرؓ مخلوق پر کچھ نرمی کرتے ہوئے اپنے نفس پر بھی زیادہ مشقت نہ ڈالو-

سبحان اللہ کیسی پیاری تعلیم ہے-

ابو داؤد کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو رات کھڑے ہو کر دس آیتیں پڑھے تو

وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔اور جو کھڑے ہو کر سو آیتیں پڑھے وہ مطیعون میں سے لکھا جائے گا۔اور جو کھڑے ہو کر ہزار آیتیں پڑھے تو وہ بہت ثواب والوں میں لکھا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ جو تہجد کی ایک یا دو رکعت میں فاتحہ کے بعد دس آیات تلاوت کرے تو اس کا یہ فائدے ہوگا کہ اس کا نام غافلوں کے رجسٹر میں نہ آئے گا، انشاءاللہ ذاکرین میں ہوگا ۔اسی طرح 100 آیات پڑھنے پر اس کا شمار ان نیک بختوں کے زمرہ میں ہوگا جنھوں نے ساری زندگی اطاعت الٰہی میں گزاری یا اللہ تعالیٰ اس عبادت کی برکت سے اسے اپنی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی توفیق دے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس میں تہجد کی قید نہیں بلکہ نماز پنجگانہ یا خارج نماز بھی تلاوت کا یہی درجہ ہے۔ اسی لئے شاید اکثر اہل اللہ ایک پارہ روزانہ منزل پڑھتے ہیں (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۹۲

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

(مشکوٰۃ باب التحریض علیٰ قیام اللّیل)

☆ترجمہ

حضرت عمرو ابن عبسہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخری رات کے وسط میں ربِ تعالیٰ اپنے بندے سے بہت قریب ہوتا ہے-اگر تم یہ کر سکو کہ اس گھڑی اللہ کے ذاکرین میں سے ہو تو بن جاؤ- (ترمذی)

☆تشریح

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ رات کے آخری چھٹے حِصّے میں رب کی رحمت اور اس کی رضا بندے سے بہت قریب ہوتی ہے-یاد رہے یہاں قربتِ اوقات مراد ہے اور سجدے سے قربِ احوال مراد ہے-لہٰذا یہ حدیث مبارک اس کے خلاف نہیں کہ سجدے میں رب بندے سے زیادہ قریب ہوتا ہے- اگر بندہ اس وقت سجدے میں گرا ہو تو اسے وقت کا بھی قرب حاصل ہوگا اور حال کا بھی قرب حاصل ہوگا- (مرقات)

اس حدیث پاک میں خطاب حضرت عمرو ابن عبسہؓ سے ہے اور ان کے ذریعے سے ہم سب لوگوں سے خطاب ہے-

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان عمرو ابن عبسہؓ کے ایمان لانے کے وقت تھا-آپؓ بیت اللہ شریف میں حضور ﷺ کی نماز تہجد دیکھ کر فدا ہو گئے تھے اور اسی وقت ایمان لے آئے -آپؓ چوتھے مومن ہیں-

؎ دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ترجمہ- اپنا دیوانہ بناتا ہے اور دونوں جہاں بخش دیتا ہے
تیرے دیوانے کو دو جہانوں سے کیا واسطہ ہے

(اشعۃ اللمعات)

شرح سنہ میں ایک اور حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے- پہلا وہ جو رات میں نماز (تہجد) پڑھنے کھڑا ہو دوسری وہ قوم جو نماز میں صف باندھیں اور تیسری وہ قوم جو دشمن سے جنگ کی خاطر صف آرا ہوں-

حدیث پاک میں اشارتاً فرمایا گیا کہ تہجد تنہا پڑھنا چاہئے اور فرائض نماز و جہاد جماعت سے- چونکہ یہ کام اللہ کو پیارے ہیں لہٰذا اٹھنا بھی اللہ کو پیارا اور اٹھنے والے بھی پیارے، لہٰذا اس وقت جاگنا ضروریات سے فارغ ہونا وضو وغیرہ کرنا سبھی خدا کو پیارا ہے- حدیث شریف میں قیام سے مراد نماز تہجد کا قیام ہے-(مرآت)

بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات جب آخری تنہائی ہوتی ہے تو ہمارا پروردگار دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں قبول کروں، کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے عطا کروں، کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں- (بخاری و مسلم)

اس حدیث شریف کے تحت صاحبِ لمعات فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کی رحمت آسمان دنیا کی طرف توجہ فرماتی ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اترنے اور چڑھنے سے پاک ہے- (لمعات)

معلوم ہوا رات دن سے افضل ہے کیونکہ قبولیت کی گھڑی ہفتے میں ایک دن

یعنی جمعہ کو آتی ہے اور وہ بھی ہم سے چھپی ہوتی ہے۔ مگر رات میں روزانہ قبولیت کی ایک گھڑی نہیں بلکہ بہت سی ساعتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو بھی اس وقت مانگنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اگرچہ ہم براہِ راست نہیں سنتے لیکن جب حضور ﷺ نے یہ فرمان ہم تک پہنچادیا تو گویا ہم نے سن ہی لیا۔ (مرآت)

☆ حدیث نمبر ۹۳

وَعَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَ شْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِیْ الْجَنَّۃِ غُرَفًا یُرٰی ظَاھِرُ ھَا مِنْ بَا طِنِھَا وَ بَاطِنُھَا مِنْ ظَاھِرِ ھَا اَعَدَّھَا اللّٰہُ لِمَنْ لَانَ الْکَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَا بَعَ الصِّیَامَ وَ صَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعُبِ الْاِیْمَانِ وَ رَوَی التِّرْمَذِیُّ عَنْ عَلِیٍّ نَحْوَہٗ وَ فِیْ رِوَایَتِہٖ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ۔ (مشکوٰۃ باب التحریض علیٰ قیام اللّیل)

☆ ترجمہ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے دریچے ہیں جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دیکھا جا

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ان لوگوں کے لئے بنائے ہیں جو گفتگو نرم کریں۔ کھانا کھلائیں اور مسلسل روزے رکھیں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

(بیہقی فی شعب الایمان اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت علیؓ سے روایت کی اور ایک روایت میں ہے کہ جو اچھا کلام کرے)

☆ تشریح

جنت کے ان دریچوں کی دیواریں اور کواڑ ایسے صاف اور شفاف ہونگے کہ نگاہ کو نہیں روکتے، جس کا کچھ نمونہ دنیا میں شیشے کی دیواروں اور کواڑوں میں نظر آتا ہے۔ اس شفافی میں ان دریچوں کے حسن و خوبی کی طرف اشارہ ہے۔ وہ دریچے ان لوگوں کو عطا کیے جائیں گے جن میں یہ چار صفات جمع ہوں ہر مسلمان کا دوست یا دشمن سے نرمی سے بات کرنا لیکن کفار سے سخت کلامی بھی عبادت ہے۔

۱۔ فرمان باری تعالیٰ ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (کفار پر بہت سخت ہیں)

۲۔ دوسری صفت ہر خاص و عام کو کھانا کھلانا، اس میں مشائخ کے لنگروں کا ثبوت ہے، بعض بزرگوں کے ہاں چرندوں پرندوں کو بھی دانہ پانی دیا جاتا ہے۔ وہ طعام کو بہت عام کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری صفت ہمیشہ روزے رکھنا سوائے ان پانچ دنوں کے کہ جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی یکم شوال اور ذی الحجہ کی دسویں تا تیرھویں تاریخ، یہ حدیث مبارک ان لوگوں کی دلیل ہے جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں ہر مہینہ میں مسلسل تین

روزے رکھے (ایام بیض)

۴۔ چوتھی صفت نماز تہجد چونکہ یہ ریاء سے دور کرتی ہے اور تمام نمازوں کی زینت ہے، اس لئے اس کے پڑھنے والے کو مزین دریچے دیئے جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ جود و سجود کا اجتماع بہترین وصف ہے۔

ے شرفِ مرد جود است و کرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ۔ مرد کی شرافت سخاوت سے ہے اور بزرگی و عظمت سجدے کرنے سے ہے جس مرد میں یہ دونوں ہی نہ ہوں تو اس کا نہ ہونا ہی ہونے سے بہتر ہے۔

تہجد کی دو رکعتیں پڑھنے کی برکت سے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور اس وقت تھوڑے ذکر کی برکت سے انسان ہمیشہ ذکر کرنے والوں کے زمرے میں آجاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص رات میں اپنے گھر والوں کو جگائے پھر وہ دونوں یا ایک دو رکعتیں تہجد پڑھ لے تو وہ ذکر کرنے والوں یاذکر کرنے والیوں میں لکھے جائیں گے۔

یہ حدیث مبارک اس آیت کی طرف اشارہ کرتی ہے وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعا کی قبولیت چاہتے ہو تو بد دعائیں نہ لو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سُنَنِ مُؤکَّدہ سے نماز تہجد افضل ہے، کسی نے حضرت جنید بغدادیؒ کو

بعد وفات خواب میں دیکھا تو پوچھا حضرت کیا گزری؟ فرمایا عبادات ضائع ہو گئیں اشارات فناہ ہو گئے لیکن نماز تہجد کی جو چند رکعتیں پڑھتا تھا وہ کام آ گئیں۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تہجد میں جنت کی لذتیں ہوتی ہیں، خصوصاً سجدوں کی طوالت میں۔ (اشعۃ)

☆ حدیث نمبر ۹۴

وَعَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ اَوْقَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِيْ

(مشکوٰۃ باب ما یقول اذا قام من اللّیل)

☆ ترجمہ

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو رات میں جاگے تو کہے (ترجمہ) اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کے سوا کوئی

معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں ،اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے- اللہ پاک ہے،اللہ کی حمد ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں-اللہ بڑا ہے اللہ کے بغیر طاقت و قوت نہیں- پھر کہے اے میرے رب مجھے بخش دے یا فرمایا کہ پھر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول ہو گی،پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اسکی نماز قبول ہو گی- (بخاری)

☆ تشریح

لفظ تعار عرار سے بنا ہے یعنی ہلکی آواز چونکہ مسلمان جاگتے ہی کچھ ذکر الٰہی کرتا ہے اس لئے یہ لفظ جاگنے کے معنی میں استعمال ہوا-حدیث شریف میں ذکر کی گئی دُعا نماز تہجد کے لئے اٹھتے ہی پڑھنی چاہیئے- حقیقی ملک اللہ کا ہے مجازاً بندوں کا بھی، مگر ملکوت خدا کے سوا کسی کا نہیں-

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دُعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد کرے پھر حضور ﷺ پر درُود بھیجے پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگے پھر دعا مانگے،انشاء اللہ ضرور قبول ہو گی- خصوصاً تہجد کے وقت کی دُعا تیر بہدف ہے- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ اس دعا کا نام دِرہَمُ الکِیْس ہے یعنی تھیلی کی نقدی-

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی آخر رات میں جاگ کر تہجد نہ بھی پڑھے مگر یہ دعا مانگ لے تو انشاء اللہ فائدے میں رہے گا- معذور لوگ جو نماز تہجد نہیں پڑھ سکتے وہ یہ دعا ضرور پڑھ لیا کریں- (مرآت)

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا رب ہر رات کو آسمان سے دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے ، جس وقت کہ آخری رات کا تہائی حصہ باقی رہتا ہے ، فرماتے ہیں کون ہے جو مجھے پکارے ، میں اس کی پکار کو قبول کروں ، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں ، کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے پس میں اس کو بخش دوں۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ پچھلی رات دعا ، استغفار ، قبولیت ، عموم رحمت اور بے انداز بخشش کی گھڑی ہے اور اس وقت خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اللہ آسمان دنیا پر کیسے نزول فرماتا ہے ، اس کی کیفیت کیا ہوتی ہے ؟ ان سوالات کے سمجھنے کے نہ تو ہم مکلّف ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے کیونکہ یہ الفاظ متشابہات سے ہیں۔ (فیوض الباری)

حدیث پاک میں ذکر کی گئی دعا حضور ﷺ نماز میں نہیں بلکہ بیدار ہونے پر نماز سے پہلے پڑھتے تھے۔ رات کو جاگنے کے بعد اگر اس دعا کو پڑھا جائے اور کوئی چیز مانع نہ ہو تو یقیناً دعا قبول ہوتی ہے۔ ابو عبداللہ فریدی کہتے ہیں کہ میں نے جاگنے کے بعد اس دعا کو پڑھا پھر سو گیا ، ایک شخص نے خواب میں آکر کہا وَهُدُّوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (اور یہ راہ پانا ہے ستھری بات کا) (فیوض الباری)

☆ حدیث نمبر ۹۵

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِىْ خَلِيْلِىْ بِثَلٰثٍ

صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَ اَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ باب الوتر)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں مجھے میرے محبوب نے تین چیزوں کی وصیت کی، ہر ماہ تین روزوں کی، چاشت کی دو رکعتوں کی اور یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھا کروں (بخاری و مسلم)

☆تشریح

مہینہ کے شروع میں ایک روزہ، ایک مہینہ کے درمیان میں اور ایک روزہ مہینہ کے آخر میں-یا ہر عشرہ کے شروع میں ایک روزہ یا ہر مہینہ کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں کے روزے (ایام بیض) یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے-

حضور علیہ السلام نے حضرت ابو ہریرہؓ کو وتر سونے سے پہلے اس لئے پڑھنے کو فرمایا کیونکہ آپؓ بہت رات گئے تک دن کی سنی ہوئی احادیث یاد کرتے تھے-دیر میں سوتے اس لئے کہ تہجد کو اٹھنا مشکل ہوتا تھا- (مرقات واشعۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ دینی طلبہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ رات گئے تک علم میں محنت کریں اور وتر عشاء کے ساتھ پڑھ لیا کریں- طلباء کے لئے سبق یاد کرنا تہجد سے افضل ہے-یاد رہے بعض صحابہؓ خصوصاً ابو ہریرہؓ قرآن کی طرح احادیث یاد کرتے

تھے- اسی لئے اکثر روایات ان سے منسوب ہیں-

حضور ﷺ نے کبھی عشاء کے وقت وتر پڑھ لئے اور کبھی عشاء پڑھ کر سوئے اور درمیانی رات جاگ کر تہجد و وتر پڑھے، مگر آخری عمل یہ رہا کہ صبح صادق کے قریب تہجد کے بعد وتر پڑھے- مسلمان جس پر عمل کرے سنت کا ثواب پائے گا- اگرچہ آخر رات میں وتر پڑھنا افضل ہے-

حضرت ابو بکر صدیقؓ اول شب میں وتر پڑھ لیتے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ آخر شب میں پڑھتے- حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ تم احتیاط پر عمل کرتے ہو اور اے عمرؓ تم قوت واجتہاد پر عمل کرتے ہو - یعنی دونوں کا عمل درست ہے-

حضرت خارجہ بن حذافہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے ، اس نماز کو اللہ نے تمہارے لئے نماز عشاء و طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے- یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ نماز وتر اور دعا جو ان نمازوں کا تتمہ ہے اور تمہارے لئے دنیا کی تمام چیزوں حتی کہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اہلِ عرب سُرخ اونٹ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے - اس سے معلوم ہوُا کہ وتر واجب ہیں، نیز امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی وتر واجب ہیں- نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى) دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنا مستحب ہے-

☆ حدیث نمبر ۹۶

وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَ فِیْہِ النَّفْخَۃُ وَ فِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُ وَالْبَیْہَقِیُ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ

(مشکٰوۃ باب الجمعۃ)

☆ ترجمہ

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بہترین دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں وفات دیئے گئے۔ اور اسی میں صور پھونکنا ہے اور اسی میں بے ہوشی ہے۔ لہٰذا اس دن میں مجھ پر زیادہ درود پڑھو۔ کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارے درود آپ پر کیسے پیش

ہو نگے۔آپ ﷺ تو رمیم (یعنی گلی ہڈی) ہو چکے ہوں گے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر انبیاءؑ کے جسم حرام کر دیے ہیں۔

(ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی دعوات کبیر)

☆ تشریح

حدیث پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس تاریخ یا جس دن میں کوئی اہم واقعہ ہو جائے وہ دن، تاریخ قیامت تک اہم بن جاتی ہے۔دوسرا یہ کہ اس دن اور تاریخ میں ان واقعات کی یادگاریں قائم کرنا بہتر ہے۔ تیسرا یہ کہ ان میں عبادتیں زیادہ کی جائیں، میلاد شریف، گیارھویں شریف، معراج شریف اور عرس بزرگاں کا یہی مقصد ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے۔

جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے، اس میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اور درود شریف دوسری عبادتوں سے افضل ہے۔ گویا فرمانِ عالی ہے کہ افضل دن میں افضل عبادت کرو۔ کیونکہ جمعہ کے دن کا درود خصوصی طور پر ہماری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور ہم قبول فرماتے ہیں۔ خیال رہے ہمیشہ ہی درود شریف حضور ﷺ پر پیش ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن خصوصی قبولیت اور پیشی ہوتی ہے۔(مرقات)

صحابہ کرامؓ کا سوال انکار کے لئے نہیں بلکہ کیفیت پوچھنے کے لئے تھا، یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہمارے درودوں کی پیشی صرف آپ ﷺ کی روحِ شریف پر ہوگی یا روحِ معہ الجسم پر ہوگی؟ جیسے ذکریا علیہ السلام نے رب کی طرف سے بیٹے کی خوشخبری پاکر عرض کیا تھا کہ اے خدا! میرے بیٹا کیسے ہوگا میں تو

بوڑھا ہوں جبکہ میری بیوی بانجھ ہے۔ یہ سوال بھی کیفیت پوچھنے کے لئے تھا نہ کہ انکاراً تھا۔

اولاد کے اعمال والدین پر پیش ہوتے ہیں ، مرید کے شیخ پر ، لیکن یہ پیشی کبھی کبھی ہوتی ہے اور وہ بھی صرف روح پر ، لیکن حضور علیہ السلام پر یہ پیشی ہر وقت ہوتی ہے اور روح معہ الجسم پر ہوتی ہے۔ (مرقات)

انبیاء کے اجسام زمین کھا سکتی ہی نہیں چنانچہ وہ گلنے سے محفوظ ہیں ، قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد چھ ماہ یا ایک سال نماز کی ہیئت پر لکڑی کے سہارے کھڑے رہے پھر دیمک نے آپ کی لاٹھی تو کھائی مگر آپ کا پاؤں شریف نہ کھایا۔ اس حدیث کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زخموں پر جراثیم نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے آپ کا گوشت کھایا ، کوئی اور بیماری تھی ، کیونکہ پیغمبر کا جسم کیڑا نہیں کھا سکتا ۔ جنہوں نے یہ واقعہ درست مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بعد وفات ہے ، زندگی میں یہ امتحان کے طور پر ہو سکتا ہے۔ جیسے تلوار ، جادو اور ڈنگ ان پر اثر کر دیتے ہیں ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ زندگی بھی دنیاوی ، جسمانی اور حقیقی ہے۔ شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں۔ (اشعۃ)

علامہ جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال القبور میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے بے نیاز ہیں۔ لیکن نماز پڑھتے ہیں قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کی لذت پاتے ہیں۔ (مرقات)

حدیث پاک سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی حیات بیان فرمارہے

ہیں، یعنی انبیاء بعد وفات زندہ ہی رہتے ہیں۔ فرمایا تمہارے درود مجھ پر جس طرح اب پیش ہو رہے ہیں اسی طرح پھر بھی پیش ہوتے رہیں گے۔ (مرآت)

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کی موت کو انتقال یا وفات کہتے ہیں اور موت کے دن کو عرس کہتے ہیں کیونکہ دولہا کی طرح یہاں سے وہاں منتقل ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرمانا کہ مجھے خوف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ وہاں بھیڑیے سے مراد خود ان کے بھائی ہیں ورنہ پیغمبر کے جسم کو مٹی اور جانور نہیں کھا سکتا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (مرقات)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت بعد وفات مختلف وقتوں میں مختلف جگہ تشریف فرماتے ہیں، یہ عقلاً نقلاً ہر طرح ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا (اے محبوب ﷺ اپنے سے پہلے انبیاء سے یہ مسئلہ پوچھو) معلوم ہوا گزشتہ انبیاء حضور ﷺ کے زمانہ میں زندہ ہیں کہ آپ ﷺ ان سے بات چیت اور سوال و جواب بھی کر سکتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کرامؑ بعد وفات زندہ ہوتے ہیں بلکہ ان پر زندوں کے بعض احکام جاری ہوتے ہیں۔ ان کی بیویاں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ پر ہر نمازی سلام عرض کرتا ہے ہم کلمے میں پڑھتے ہیں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" محمد مصطفٰے ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتے تو کہا جاتا "کہ اللہ کے رسول تھے"۔ غرضیکہ حدیث پاک کی تائید قرآنی آیات سے بھی ہے اور دیگر

عقلی و نقلی دلائل سے بھی - خیال رہے آیت کریمہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ترجمہ - بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔
اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہاں موت سے مراد حسی موت ہے، جس پر بعض موت کے احکام جاری ہو جاتے ہیں - جیسے غسل، کفن اور دفن وغیرہ اور یہاں زندگی سے مراد حقیقی زندگی ہے - نیز آیت مذکورہ میں روح کا جسم سے علیحدہ ہونا مراد ہے، اور یہاں زندگی سے مراد رُوح کا جسم میں تصرف کرنا ہے، جیسے ہماری سلطانی روح نیند میں جسم سے نکل کر جسم کو زندہ رکھتی ہے یوں ہی ان کی مقامی رُوح بوقت وفات جسم سے نکل کر بھی زندگی باقی رکھتی ہے - اسی لئے آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے لئے میت الگ بولا گیا، اور دوسروں کے لئے مَیِّتُوْن الگ۔

اگر حضور علیہ السلام کی وفات بھی دوسروں کی طرح ہوتی تو یوں فرمایا جاتا اِنَّکَ وَ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ - صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام رُوح ہیں سارا عالم جسم ہے، حضور علیہ السلام جڑ ہیں اور سارا عالم درخت ہے، اگر حضور علیہ السلام فنا ہو گئے ہوتے تو عالم بھی ختم تھا - جیسے درخت کی سبز شاخیں جڑ کی زندگی کا پتہ دیتی ہیں اور جسم کی حِس و حرکت رُوح کا پتہ دیتی ہے - ایسے ہی عالم کا قیام بقا حضور علیہ السلام کی حیات کا پتہ دے رہا ہے - جسم کا سوکھا ہوا عضو اگر بے کار ہو جائے تو سڑ تا گلتا نہیں کیونکہ ابھی رُوح سے وابستہ ہے، اسی طرح ہم بے کاروں، گنہگاروں، بدکاروں اور سیاہ کاروں کا دامن حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام سے وابستہ ہے، اس لئے عذاب الٰہی نہیں آتا۔
اگر حضور علیہ السلام ہم میں نہ رہے ہوتے تو ہماری بدکاریوں کے سبب ہم پر عذاب آجانا چاہئے تھا - فرمان باری تعالیٰ ہے مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ

(اللہ ان کو عذاب نہیں کرے گا در آں حال کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں)

وہ شہداء جو حضور ﷺ کے غلامانِ غلام ہیں جب ان پر فدا ہو کر زندہ و جاوید ہو گئے تو خود حضور ﷺ کی زندگی کیسی اہم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ دفن رہے میں بے حجاب وہاں جاتی تھی۔ لیکن جب عمر فاروقؓ دفن ہوئے تو میں بے حجاب جاتے ہوئے شرماتی ہوں۔ اگر وہ حضرات زندہ نہیں تو یہ شرم کس سے ہے؟ بعض اولیاءِ کرام کے اجسام صدہا برس کے بعد اب بھی درست دیکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ بالکل مردے ہیں تو پھر جسم گلتا کیوں نہیں؟

(مرآت)

☆ حدیث نمبر ۹۷

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهٗ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حِیْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَکَبَّرَ وَ حَمِدَ اللّٰہَ ثُمَّ قَالَ اِنَّکُمْ شَکَوْتُمْ جَدْبَ دِیَارِکُمْ وَ اسْتِیْخَارِ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِہٖ عَنْکُمْ وَ قَدْ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَدْعُوْہُ وَوَعَدَکُمْ اَنْ تَسْتَجِیْبَ لَکُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِیُّ وَ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّۃً وَ بَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ فَلَمْ یَتْرُکِ الرَّفْعَ حَتّٰی بَدَا بَیَاضُ اِبْطَیْہِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَی النَّاسِ ظَھْرَہٗ وَ قَلَبَ اَوْ حَوَّلَ رِدَاءَہٗ وَ ھُوَ رَافِعٌ یَدَیْہِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَ نَزَلَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فَاَنْشَاءَ اللّٰہُ سَحَابَۃً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَلَمْ یَاْتِ مَسْجِدَہٗ حَتّٰی سَالَتِ السُّیُوْلُ فَلَمَّا رَاٰی سُرْعَتَھُمْ اِلَی الْکِنِّ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ ـ

(مشکوٰۃ باب الاستسقاء)

☆ ترجمہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بارش رُک جانے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے منبر کا حکم فرمایا جو عید گاہ میں بچھا دیا گیا۔ اور لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا جب لوگ نکلیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سُورج کا کنارہ چمکا تو تشریف لے گئے منبر پر بیٹھے اللہ کی تکبیر اور حمد بیان کی۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے شہر کے قحط کی' بارش کے وقت سے ہٹ جانے کی شکایت کی۔ اللہ نے تمہیں دُعا مانگنے کا حکم دیا اور تم سے دُعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا۔ پھر فرمایا تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کی ہیں۔ جو مہربان رحم والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے پرواہ ہے ہم فقیر ہیں ہم پر بارش برسا اور جو تُو اتارے اُسے ہمارے لئے قوت اور مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اتنے اٹھائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی پھر لوگوں کی طرف پشت مبارک فرمائی اور اپنی چادر پھیری حالانکہ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے منبر سے اترے دو رکعتیں پڑھیں اللہ نے ایک بادل پیدا کیا جو اللہ کے حکم سے گرجا' چمکا پھر برسا۔ آپ ﷺ مسجد تک نہ پہنچے تھے کہ سیلاب آگیا۔ جب حضور ﷺ نے لوگوں کو پناہ گاہ کی طرف دوڑتے دیکھا تو ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسُول ہوں۔

(ابو داؤد)

☆ تشریح

صحابہؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ بارش کا زمانہ ہے مگر ہوتی نہیں معلوم ہوا کہ قحط کی شکایت حضور علیہ السلام سے کی جا سکتی ہے تا کہ حضور علیہ السلام سفارش کریں اور ہماری بگڑی بن جائے۔ ربّ تعالیٰ خود حضور علیہ السلام سے مدوں کی شکایت کرتا ہے۔ فرماتا ہے اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ (دیکھئے وہ کس طرح آپ کے لئے مثالیں بناتے ہیں)

یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کبارؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں اپنا بڑا وسیلہ جانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اعمال کی مقبولیت یقینی نہیں۔ حضور علیہ السلام یقیناً مقبول ہیں۔ اسی لئے وہ ایسے موقعوں پر خود نمازیں اور دعائیں ادا نہ کر لیتے بلکہ دوڑتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جاتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے قرآن میں یہ آیت پڑھی تھی اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مجھے پکارو میں قبول کروں گا) معلوم ہوا بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا صحابہؓ کی سنّت ہے۔

فرمایا فلاں دن تم سب جمع ہو کر جاؤ ہم بھی پہنچ جائیں گے شاید قبولیت کی گھڑی اسی دن میں ہوگی جس طرح یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ سَاَسْتَغْفِرُ لَکُمْ یعنی تمہارے لئے دعائے مغفرت ابھی نہیں پھر کروں گا۔

فرمایا تم میرے وسیلہ سے دعا کر رہے ہو میں تمہارے لئے دُعا اور شفاعت کرتا ہوں۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے اس دن یوں نہ فرمایا کہ جاؤ خود دعائیں مانگ لو میرے پاس کیوں آئے ہو۔

حضور علیہ السلام نے پہلے اللہ کی حمد بیان فرمائی پھر دعا مانگی۔ معلوم ہوا دعا سے

پہلے اللہ کی حمد اپنی فقیری اور نیاز مندی کا اظہار کرنا سنت ہے۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ بارگاہِ الٰہی میں اپنے لئے جو کلمات چاہیں استعمال کریں لیکن اگر کوئی اور حضور ﷺ کو فقیر کہے گا تو کافر ہو گا۔ (عالمگیری)

حضور ﷺ تو وہ غنی داتا ہیں جن کی گلیوں میں تاجدار بھیک مانگتے پھرتے ہیں آپ ﷺ تو باذن اللہ غنی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (انکو اللہ اور رسولؐ نے اپنے فضل سے غنی کر دیا) رب سے مانگنا بندے کی شان ہے۔

حضور ﷺ نے آج خطبہ اور دعا پہلے پڑھی نماز بعد میں۔ غالباً اس لئے کہ جب آپ ﷺ جنگل میں پہنچے تو سورج نکل رہا تھا اور وقت مکروہ تھا۔ ورنہ خطبہء استسقاء اور دعا نماز کے بعد ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کے ہنسنے سے مراد تبسم اور مسکرانا ہے۔ آپ ﷺ قہقہہ مار کر کبھی نہ ہنسے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی اور تعجب کا تھا کہ ابھی تو یہ لوگ بارش مانگ رہے تھے جب بارش آئی تو اب بھاگ رہے ہیں۔ ناجذہ دانتوں کی کیلوں کو بھی کہتے ہیں اور آخری داڑھ کو بھی یعنی عقل داڑھ کو۔

معلوم ہوا کہ بارش حضور ﷺ کا معجزہ تھی اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل یعنی آج حضور ﷺ نے اپنی نبوت صحابہؓ کو آنکھوں سے دکھا دی اور اس کی عینی گواہی دی بھی اور دلوائی بھی۔

(مراۃ)

☆ حدیث نمبر ۹۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِذَابْتَلَیْتُ عَبْدِیْ بِحَبِیْبَتَیْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ یُرِیْدُ عَیْنَیْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِیْ

(مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض و ثواب المرض)

☆ ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں یعنی آنکھوں میں مبتلا کر دوں پھر وہ صبر کر جائے تو میں ان کے عوض اسے جنت دوں گا۔ (بخاری)

☆ تشریح

اس طرح کہ اسے اندھا کر دوں یا اس کی بینائی ایک دم کمزور کر دوں' بعض روائتوں میں ایک آنکھ کا بھی ذکر ہے۔ایسے شخص کو چاہئے کہ اس مصیبت پر ان انبیاء و اولیاء کے حالات میں غور کرے جو نابینا ہو کر صابر و شاکر تھے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے تو یہ پڑھا کرتے تھے :-

اِنْ یُّذْهِبَ اللّٰهُ مِنْ عَیْنَیَّ نُوْرَهُمَا

فَفِیْ لِسَانِیْ وَ قَلْبِیْ لِلْهُدٰی نُوْرٌ

یعنی اگر میری آنکھ کی روشنی جاتی رہی تو کیا ہوا - میری زبان اور دل میں تو ہدایت کا نور ہے- (مراءت)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابیناؤں کے لئے جنت کی بشارت ہے- یہ دنیا ان کے لئے اندھیری ہے لیکن اُخروی زندگی میں روشنی کی بشارت ہے-

☆ حدیث نمبر ۹۹

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ لَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ كَیْفَ اَعُوْدُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَهٗ یَا ابْنَ آدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ كَیْفَ اُطْعِمُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ قَالَ یَا رَبِّ كَیْفَ اَسْقِیْكَ

وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ لَمْ تُسْقِهِ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِىْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ (مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے انسان میں بیمار ہوا تو تو نے میری مزاج پرسی نہ کی بندہ کہے گا الٰہی میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو جہانوں کا رب ہے۔ فرمائے گا کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اے آدمی میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا۔ عرض کرے گا الٰہی تجھے میں کیسے کھلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تو نے اسے نہ کھلایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو میرے پاس پاتا۔ اے انسان میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے نہ پلایا عرض کرے گا مولا میں تجھے کیسے پلاتا تو تو جہانوں کا رب ہے۔ فرمائے گا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تو نے اسے نہ پلایا اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس وہ پاتا۔ (مسلم)

☆تشریح

حدیث پاک میں اشارتاً فرمایا گیا ہے کہ بندۂ مومن بیماری کی حالت میں اللہ

تعالیٰ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس جانا گویا اللہ کے پاس ہی جانا ہے اور اس کی خدمت گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے - فقط شرط یہ ہے کہ بیمار صابر و شاکر ہو کیونکہ بیمار مومن کا دل ٹوٹا ہوتا ہے اور ٹوٹے دل بیمار کا شانہ ءیار ہیں - حدیث قدسی ہے اَنَا عِنْدَا لْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَ جْلِیْ میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوں اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پرسی کھانا کھلانے اور پانی پلانے وغیرہ اعمال سے افضل ہیں کیونکہ حضور علیہ ﷺ نے اس کا ذکر پہلے فرمایا-

دوسرا عمل کھانا کھلانا ہے- فرمایا اس کھانے کا ثواب یہاں پاتا - خیال رہے بیمار پرسی کے بارے میں فرمایا کہ تو بیمار کے پاس مجھے پاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا کہ تو اس کا ثواب یہاں پاتا - معلوم ہوا کہ بیمار پرسی بہت اعلیٰ عبادت ہے-

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ فقراء , مساکین اللہ کی رحمت ہیں- ان کے پاس جانے ' ان کی خدمتیں کرنے سے رب مل جاتا ہے تو اولیاء اللہ کا کیا پوچھنا ان کی صحبت اللہ سے ملنے کا ذریعہ ہے- مولانا ؒ فرماتے ہیں :-

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضورِ اولیاء

ترجمہ = جو اللہ تعالیٰ سے ہم نشینی چاہتا ہے تو وہ اولیاء اللہ کی حضوری میں آجائے-

گر جدا بینی زحق تو خواجہ را
گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را

(ترجمہ = اگر شیخ کو حق سے جدا دیکھے گا تو متن اور دیباچہ سب ضائع کر بیٹھے گا)

قرآن کریم فرماتا ہے- وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا ....

لَوَجَدُ اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيمًا ☆

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو گنہگار تمہارے پاس آ جائے وہ خدا کو پالے گا۔ مولانا کے شعر کا ماخذ یہ آیت اور حدیث پاک ہے۔

محبوبِ خدا کسی بیمار کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو فرماتے کوئی ڈر نہیں خدا نے چاہا تو یہ صفائی ہے۔

یعنی گناہوں سے صفائی ہے اور بہت سی بیماریوں سے بچاؤ کیونکہ بعض چھوٹی بیماریاں بڑی بیماریوں سے انسان کو محفوظ کر دیتی ہیں۔

مسلم شریف میں بروایت حضرت ثوبانؓ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ میں رہتا ہے حتیٰ کہ لوٹ آئے۔

چونکہ بیمار پرسی کا ثواب جنت ہے اس لئے جو بیمار پرسی کرنے گیا گویا جنت ہی میں چلا گیا جیسے کہا جاتا ہے کہ جو ریل میں بیٹھ گیا گویا منزل تک پہنچ گیا۔

(مراءت)

☆ حدیث نمبر ۱۰۰

عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اُمَيَّةَ اَنَّهَا سَئَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ وَ عَنْ قَوْلِهٖ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً

يُجْزَىٰ بِهٖ فَقَالَتْ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ مِنْهُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللّٰهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهٗ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتّٰى الْبِضَاعَةَ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى اَنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ بِهٖ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْاَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ -

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ترجمہ

روایت ہے علی ابن زیدؓ سے وہ امیہ سے راوی ہیکہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا کہ (خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ 'اللہ تم سے اس کا حساب لے گا)اور اس فرمان کے بارے میں (جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) حضرت عائشہؓ بولیں جب سے میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ' مجھ سے یہ کسی نے نہ پوچھا- حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندوں پر عتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت پہنچ جاتی ہے حتیٰ کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے- یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے پیلا سونا بھٹی سے نکل کر کندن بن جاتا ہے -

(ترمذی)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی کا نام علی ابن زید عبد الرحمٰن ابن جدعان ہے- قریشی ہیں تمیمی ہیں تابعین بصرہ سے ہیں اور امیہ تابعین میں سے ایک بی بی ہیں- جو حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں- علی ابن زید کی دادی ہیں جنہوں نے انہیں علی کی ماں کہا 'وہ مجازاً کہا-

سوال کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیات بظاہر معافی کی آیات کے بھی خلاف ہیں اور اس کے بھی کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا- جب ہر خطا کی سزا ہے اور دل کے خیال تک کا حساب ہے تو معافی کیسی- حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تمہارا سوال بہت ہی اچھا ہے اور تم سے پہلے کسی کو یہ سوال نہ سوجھا- اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا ورنہ آیت کی تفسیر میرے ساتھ ہی جاتی-

خلاصہ جواب یہ ہے کہ تم سمجھی ہو ہر ظاہر و باطن خطا کا عذاب قیامت میں ہوگا اور کسی خطا کی معافی نہ ہوگی یہ صحیح نہیں بلکہ دنیا میں جب مومن کو معمولی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے وہ اس کی خطا کا عوض بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا حساب و عتاب یہاں ہی پورا کر دیتا ہے- لہٰذا آیات معافی میں آخرت کی معافی مراد ہے اور عذاب کی نفی ہے- یہاں دنیا کی تکالیف مراد اور عتاب کا ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں خیال رہے کہ عذاب دشمن کو دیا جاتا ہے اور عتاب دوست پر ہوتا ہے- جو غلطی سے جرم کر بیٹھے- یہاں گناہوں سے مراد حقوق اللہ کے گناہ صغیرہ ہیں ورنہ شرعی حقوق یوں ہی بندوں کے حقوق بیماری وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے- حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ مقروض یا بے نماز جب کبھی بیماری سے اٹھے تو گذشتہ قرضے بھی

معاف ہو گئے اور نہ پڑھی ہوئی نمازیں بھی۔ (مراءت)

لیکن اللہ چاہے تو نمازیں معاف کردے کیونکہ یہ حق اللہ ہیں اور قرض حق العبد ہے۔ وہ تو بندہ ہی معاف کر سکتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۰۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا كَانَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ حَسَنَةٍ مِنَ الْعِبَادَةِ ثُمَّ مَرِضَ قِيْلَ لِلْمَلَكِ الْمُؤَكَّلِ بِهٖ اُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ اِذَا كَانَ طَلِيْقًا حَتّٰى اُطْلِقَهٗ اَوْ اَكْفِتَهٗ اِلَيَّ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ عبادت کے اچھے راستہ پر ہوتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہا جاتا ہے تو اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ۔ یہاں تک کہ میں اسے شفا دے دوں یا اپنے پاس بلا لوں۔

(شرح سنہ)

☆ تشریح

ہم جیسے گناہ گار بندوں کو جو تکلیف یا بیماری آتی ہے وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں ۔ بے گناہ بچے یا انبیاء اور بعض اولیاء کو جو بیماری آتی ہے وہ ان لوگوں کے درجات بڑھانے کے لئے آتی ہے ۔ اللہ تعالٰی بہت سی خطاؤں سے درگذر فرمادیتا ہے ۔ بعض پر معمولی پکڑ کرتا ہے ۔ وہ بھی تمہیں آگاہ کرنے اور آئندہ احتیاط رکھنے کے لئے اس پکڑ میں بھی اس کا کرم ہے ۔

حدیث پاک میں اچھے راستے سے مراد اس کا تندرستی میں عبادت کرنا ہے ۔ رب سے غافل نہیں ہوتا پھر وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور عبادت سے مراد نفلی عبادت مسجد میں حاضری وغیرہ ہے ۔ اگر بندہ بیماری میں یہ نہ کر سکے تو اسے برابر ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے ۔ اس سے اشارتاً معلوم ہو رہا ہے کہ اگر بندہ سخت بیماری یا غشی کی وجہ سے فرض نماز نہ پڑھ سکا پھر بغیر صحت ہوئے اسی حالت میں اسے موت آگئی تو انشاء اللہ پکڑ نہ ہوگی ۔ (مراءت معہ اضافہ)

☆ حدیث نمبر ۱۰۲

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ابْتَلَى الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اُكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاهُ غَسَلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَاِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَلَهٗ وَرَحِمَهٗ رَوَاهُ فِيْ

شَرْحِ السُّنَّةِ -

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ تو اسکی وہی نیکیاں لکھ جو یہ پہلے کرتا تھا- پھر اگر رب اسے شفا دیتا ہے تو اسے دھو دیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے اور اگر وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور رحم کرتا ہے-

(شرح سنہ)

☆تشریح

سبحان اللہ کیسا مبارک فرمان ہے کہ بیمار کو تندرستی کی نیکیوں کا ثواب ملتا رہتا ہے- مگر تندرستی کے گناہوں کا عذاب نہیں ہوتا یعنی اگر چور بد معاش بیماری کی وجہ سے چوری، بد معاشی نہ کر سکے تو اس کے نامۂ اعمال میں چوری وغیرہ لکھی نہ جائے گی بلکہ ممکن ہے کہ توبہ کی توفیق مل جائے- جس سے اس کے گناہوں کی معافی ہو جائے- یہاں صالح عمل ارشاد ہوا یہ سب اس لئے ہے کہ ہم اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں-

مومن کی بیماری میں گناہوں کی تو بخشش ہو جاتی ہے مگر بدستور نیکیاں لکھی جاتی رہتی ہیں- گویا بیماری روحانی غسل ہے یا میلے دل کا صابن-

(مراۃ)

☆ حدیث نمبر ۱۰۳

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ یَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ حَتّٰی یُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ -

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ ترجمہ

روایت ہے حضرت محمد ابن خالد اسلمی سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے مروی ہیں - فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی بندہ کے لئے کوئی درجہ اللہ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہو جہاں تک یہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم یا مال یا اولاد کی آفت میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اسے اس پر صبر بھی دیتا ہے حتیٰ کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے مقدر ہو چکا ہوتا ہے-

(احمد ابوداؤد)

☆ تشریح

یہ روایت محمد بن خالدؓ کے دادا سے ہے جو صحابیؓ ہیں۔ ایک عرصہ تک جناب مصطفےٰ ﷺ کی صحبت پاک میں رہے۔ نام شریف علاج ابن حکیم ہے۔

حدیث پاک سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱۔ مصیبت پر صبر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ملتا ہے نہ کہ اپنی ہمت و جرأت سے۔ اور صبر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

۲۔ درجات اعمال سے ملتے ہیں اور بخشش اللہ کے کرم سے ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جنت میں داخلہ اللہ کے فضل سے ہوگا مگر وہاں کے درجات مومن کے اعمال سے۔ مگر کبھی دوسرے کے عمل بھی کام آجاتے ہیں۔ صابر مومن کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہے گی اگرچہ کچھ عمل نہ کر سکی کیوں؟ ماں باپ کے عمل سے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ (ان کی اولاد ہم ان سے ملادیں گے) انشاءاللہ حضور ﷺ کے اعمال میں امام حسینؓ کے صبر میں ہم گنہگاروں کا حصہ ہے۔ سخی کے مال میں فقیروں کا حصہ ہوتا ہے۔ ان سرکاروں کے اعمال میں ہم بدکاروں کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَفِىۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ

(ترجمہ۔ انکے اموال میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے)

۳- یہ کہ انسانوں کے درجات وغیرہ پہلے سے ہی مقرر ہو چکے ہیں جہاں لامحالہ پہنچنا ہے- قیامت کے دن اس کا ظہور ہوگا-

(مراءت)

☆ حدیث نمبر ۱۰۴

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَ مَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَ لِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَامَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ -

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

☆ ترجمہ

حضرت عامر رامؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

بیماریوں کا ذکر فرمایا' تو فرمایا کہ مومن کو جب بیماری پہنچتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے آرام دے دیتا ہے تو یہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لئے نصیحت۔ اور جب منافق بیمار ہوتا ہے پھر اسے آرام دیا جاتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جسے اس کے مالکوں نے باندھ دیا' پھر کھول دیا۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کھولا گیا۔ تو ایک شخص بولا یا رسول اللہ ﷺ بیماریاں کیا ہیں؟ اللہ کی قسم میں تو کبھی بیمار ہوا ہی نہیں۔ تو فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ' تم ہم میں سے نہیں ہو۔

(ابو داؤد)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی کا نام عامرؓ ہے۔ صحابی ہیں۔ تیر اندازی کرتے تھے اس لئے رام لقب ہوا۔ آپ سے صرف یہی ایک حدیث بسندِ مجہول مروی ہے۔

مومن آدمی بیماری میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ بیماری میرے کسی گناہ کی وجہ سے آئی اور شائد یہ آخری بیماری ہو۔ جس کے بعد موت ہی آجائے' اس لئے اسے شفاء کے ساتھ مغفرت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

اور منافق غافل تو یہی سمجھتا ہے کہ فلاں وجہ سے میں بیمار ہوا تھا اور فلاں دوا سے مجھے آرام ملا۔ اسباب میں ایسا پھنسا رہتا ہے کہ مُسبب الاسباب پر نظر ہی نہیں جاتی نہ تو توبہ کرتا ہے اور نہ ہی اپنے گناہوں پر غور کرتا ہے۔

جس آدمی کو دربارِ رسالتؐ سے نکال دیا گیا تھا وہ شخص منافق تھا اور اس کا کفر پر مرنا حضور ﷺ کے علم میں تھا اس لئے اس سختی سے اسے یہ جواب دیا گیا۔ بعض

روایات میں ہے کہ اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ جو دوزخی کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۔ (مرقات)

ورنہ حضور ﷺ سراپا اخلاق ہیں۔ محض بیمار نہ ہونے پر ایسی سختی نہ فرماتے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اچھے برے انجام کی خبر دی ہے۔ حالانکہ یہ علومِ خمسہ سے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ کفار پر سختی کرنا ہی اخلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ (مومن کفار پر سختی کرنے والے ہیں اور آپس میں بڑے رحیم ہیں) سانپ کا سر کچلنا ہی اخلاقِ حسنہ ہے۔ حضور ﷺ نے ان کفار پر نرمی برتی ہے جن کے ایمان کی امید تھی۔ (مرأت)

☆ حدیث نمبر ۱۰۵

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِیْفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةِ الصَّخَبِ فِی الْعِیَادَةِ عِنْدَ الْمَرِیْضِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا کَثُرَ لَغَطُهُمْ وَ اِخْتِلَافُهُمْ قُوْمُوْا عَنِّیْ رَوَاهُ رَزِیْنٌ۔

(مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

☆ترجمہ

روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے ۔ فرماتے ہیں کہ بیمار کے پاس کم بیٹھنا اور کم شور کرنا سنت ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہؓ کی آوازیں اور اختلاف بڑھ گیا تو فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ۔ (رزین)

☆تشریح

مریض کے پاس کم وقت بیٹھنا چاہئے کیونکہ تمہاری وجہ سے اس کی تیمار دار عورتیں پردے میں رہیں گی اور دوسروں سے وہ بے تکلف بات چیت نہ کر سکے گا۔ نیز تمہارے شور سے اسے تکلیف ہوگی اس لئے اس کے پاس کم بیٹھو یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو صرف بیمار پرسی کے لئے جائیں۔ تیمار داری نہ کریں۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کی وفات شریف سے چار دن پہلے یعنی جمعرات کے دن صحابہ کرامؓ دولت خانہ پر حاضر تھے۔ فرمایا قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد بھک نہ سکو۔ بعض صحابہؓ سمجھے کہ یہ امر ہے اس کی اطاعت واجب ہے اور بعض نے خیال کیا کہ یہ مشورہ ہے۔ حضور ﷺ تو سارے تبلیغی احکام پہنچا چکے ۔ یہ صرف اُمت پر شفقت فرمانے کے لئے فرما رہے ہیں۔ مرض کی شدت زیادہ ہے اب آپ ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے۔ اس اختلاف رائے پر مجموعی آوازیں اونچی ہوگئیں تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے لئے خلافت لکھنا چاہتے تھے جو حضرت عمرؓ نے تحریر نہ ہونے دی۔ نیز صحابہ کرامؓ بارگاہِ نبوی میں

اونچی آواز سے بولنے لگے۔اس سے نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گئے۔اور ان کے اعمال بھی ضبط ہو گئے۔لیکن یہ دونوں اعتراضات غلط ہیں۔خود جناب علیؓ نے ابو بکرؓ کی بیعت کرتے وقت سب کے سامنے فرمایا کہ رسُول اللہ ﷺ ابو بکرؓ سے راضی تھے کہ میرے ہوتے ہوئے انہیں امامت کے مصلے پر کھڑا کیا۔نیز حضور ﷺ نے کسی کے دباؤ سے حق نہ چھپایا تو یہاں کیسے کسی کے کہنے پر خاموش رہتے۔ نیز حضور ﷺ کی وفات اس واقعہ کے چار دن بعد ہوئی۔اس دوران تحریر کیوں نہ فرمادی۔ نیز حضرت حسینؓ نے ناجائز خلیفہ یزید کی بیعت نہ کی اور سر دے دیا۔تو حضرت علیؓ ناجائز خلیفہ کی بیعت کیسے کر سکتے تھے۔حالانکہ ابو سفیان نے علی المرتضیٰؓ سے اس وقت عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ابو بکرؓ کے مقابلے میں آپ کے لئے میں لشکر سے جنگل بھر دوں تو جناب علیؓ نے انہیں ڈانٹ دیا۔

(مرقات وغیرہ)

دوسرا اعتراض اس لئے غلط ہے کہ اس کی زد میں حضرت علیؓ وغیرہ ہم بھی آجائیں گے۔کیونکہ یہ شور تو سب کی گفتگو سے مچا نیز نہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا نہ حضور ﷺ نے۔ خیال رہے حضور ﷺ کے سامنے بلند آواز ہونا منع نہیں صحابہ کرامؓ تلبیہ میں ' تکبیر تشریق میں ' اذان و اقامت میں ' اونچی آوازیں کرتے ہی تھے۔وعظ کے دوران نعرہ تکبیر بلند فرماتے تھے۔بلکہ حضور ﷺ کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنا جس سے سرکار ﷺ کی آواز دب جائے یہ ممنوع ہے۔ یہاں سب کی آوازیں ہلکی تھیں۔مگر بہت سی ہلکی آوازیں مل کر شور کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

(مراۃ)

☆ حدیث نمبر ۱۰۶

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

(مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا)

☆ ترجمہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں فرمایا کہ ایسا کوئی میت نہیں جس پر مسلمانوں کی جماعت نماز پڑھے جماعت کی تعداد سو کو پہنچے وہ سب اس کی شفاعت کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں ان کی شفاعت قبول ہوتی ہے۔

(مُسلم)

☆ تشریح

ایک دوسری حدیث میں جماعت کی تعداد چالیس ہے۔ اور اس میں تعداد سو (۱۰۰) ہے۔ اور یہ روایت چالیس کی روایت کے خلاف نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اولاً سو کی قید ہو پھر اللہ نے اپنی رحمت وسیع فرمادی ہو اور چالیس کی نماز پر بھی بخشش کا وعدہ فرمالیا ہو۔ بعض روایات تو اور بھی امید افزا ہیں۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کی

نیکی کی چار آدمی گواہی دے دیں گے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین؟ فرمایا اور تین بھی۔ ہم نے کہا اور دو؟ فرمایا اور دو بھی۔ پھر ہم نے حضور ﷺ سے ایک کے بارے میں نہ پوچھا۔

یہ حدیث بہت امید افزاء ہے کہ دو مسلمانوں کا بھی کسی کو اچھا کہنا اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ رحمت والے نبی ﷺ کی رحمت دیکھو کہ اس عدد میں شر کا ذکر نہیں صرف خیر کا ذکر ہے۔ یعنی دو ایک آدمیوں کے بُرا کہنے سے جہنمی نہ کہا جائے گا۔ ہاں ان کے اچھا کہنے سے جنتی کہا جائے گا۔

صاحبِ مرقات فرماتے ہیں کہ شریعت میں گواہی کے نصاب دو ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اور آپس میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو) تو جیسے دو گواہیوں سے مقدمہ ثابت ہو جاتا ہے یوں ہی دو کی گواہی سے جنتی ہونا ثابت ہو گا۔

(مرقات)

یہاں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ جو حضور ﷺ کے منہ سے نکلتا ہے وہی رب کے ہاں ہوتا ہے۔ صحابہؓ کی عرض پر حضور ﷺ گواہوں کی تعداد میں کمی کرتے گئے تو وہاں بھی کمی ہو گئی۔

(مرآت)

ان کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

☆☆☆☆☆☆

☆ حدیث نمبر ۱۰۷

عَنْ اَبِیْ الْهَیَاجِ الْاَ سَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلاَ اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالاً اِلاَّ طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلاَّ سَوَّیْتَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

(مشکوٰۃ باب دفن المیت)

☆ ترجمہ

حضرت ابی ھیاج اسدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ تم کوئی تصویر نہ دیکھو مگر مٹادو اور اونچی قبر نہ دیکھو مگر زمین کے برابر کردو۔

(مسلم)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی کا نام حیان ابن حصین ہے کنیت ابو الھیاج ہے قبیلہ بنی اسد سے ہیں۔ حضرت عمارؓ ابن یاسر کے کاتب تھے تابعی ہیں اور منصور ابن حیان مشہور تابعی کے والد ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جس کام کے لئے مجھے نبی اکرم ﷺ نے بھیجا تھا اسی

کام کے لئے میں تمہیں بھیجتا ہوں۔ تصویروں اور مجسموں کو مٹانا اور اونچی قبروں کو مٹانا اور گرا کر زمین کے ہموار کر دینا۔ خیال رہے یہاں قبروں سے مراد یہود و نصاریٰ کی قبریں مراد ہیں نہ کہ مسلمانوں کی۔ چند وجوہات سے۔

۱۔ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں صحابہ کرامؓ کی قبریں اونچی کیسے بن گئیں۔ جنہیں مٹانے کے لئے حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو بھیجا کیونکہ ان بزرگوں کا کفن دفن حضور علیہ السلام کی موجودگی میں اور آپ کی اجازت سے ہوتا تھا۔

۲۔ یہ کہ قبر کو فوٹو و مجسمہ سے کیا نسبت۔ مسلمانوں کی قبروں پر نہ فوٹو ہوتے ہیں نہ مجسمہ۔ ہاں عیسائیوں کی قبریں بہت اونچی بھی ہوتی ہیں اور ان پر میت کا مجسمہ یا فوٹو بھی ہوتا ہے۔

۳۔ یہ کہ مسلمان کی قبر زمین کے برابر نہیں کی جا سکتی بلکہ وہ ایک بالشت یا ایک ہاتھ اونچی رکھی جائے گی اور یہاں برابر کر دینے کا حکم ہے۔

۴۔ یہ کہ اس کی تائید بخاری شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو مسجد نبوی علیہ السلام کی تعمیر کے باب میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبریں اکھیڑنے کا حکم دیا تو اکھیڑ دی گئیں اسی کام کے لئے حضرت علیؓ مامور ہوئے تھے۔

۵۔ یہ کہ فتح الباری شرح بخاری نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا کہ مشرکینِ جاہلیت کی قبریں اکھیڑی جا سکتی ہیں۔

اُنکے علاوہ نبیوں اور ان کے متبعین کی نہیں کیونکہ ان کی قبریں اکھیڑنے میں ان کی توہین ہے۔

۶- یہ کہ فتح الباری میں ہی آگے جاکر فرمایا کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ مملوکہ مقبرے میں تصرف جائز ہے اور پرانی قبریں اکھیڑ دینا جائز ہیں بشرطیکہ وہ قبریں حرمت والی نہ ہوں۔

۷- یہ کہ مسلمان کی اونچی قبر بنانا منع ہے لیکن اگر بن گئی ہے تو اسے گرانا ناجائز کہ اس میں قبر اور صاحبِ قبر کی توہین ہے۔ جب مسلمان کی قبر سے تکیہ لگانا اور اس پر چلنا پھرنا منع ہے تو اس پر پھاوڑے چلانا کب جائز ہوگا۔

۸- یہ کہ بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ عثمانی میں تھے اور ہم میں بڑا بہادر وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔ معلوم ہوا کہ وہ قبر اتنی اونچی بنائی گئی تھی جسے پھلانگنا دشوار تھا۔ اور یہ قبر حضور علیہ السلام نے خود بنائی تھی۔

۹- مشکوٰۃ شریف میں ہی حدیث پاک ہے کہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک اونچا پتھر لگایا تھا جسے پھلانگنا دشوار تھا۔ بہر حال اگر یہاں مسلمانوں کی قبریں مراد ہوں تو یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی اور اس میں ایسی مشکلات پیدا ہونگی جو حل نہ ہوسکیں گی۔ افسوس نجدیوں نے اس حدیث کو آڑ

منا کر حرمین طیبین میں صحابہ کبار اہلِ بیت اطہار کی قبروں کو توگرا دیا مگر اسی علاقہ میں امریکن تیل کمپنی جس کا ٹھیکہ امریکہ کو دیا گیا ہے ان کے فوت شدہ انگریزوں کی بڑی بڑی قبریں اونچی ہیں مگر ہاتھ نہ لگایا گیا۔ یعنی جن کے لئے حدیث تھی ان پر عمل نہ کیا گیا اور مسلمانوں کی قبروں پر یہ ستم ڈھایا گیا۔

(مراءت)

☆ حدیث نمبر ۱۰۸

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرَ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْیُ جَعْفَرَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرَ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاھُمْ مَا یُشْغِلُھُمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ۔

(مشکوٰۃ باب البکاء علی المیّت)

☆ ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب حضرت جعفرؓ کی موت کی خبر آئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا پکاؤ کہ ان کے پاس وہ خبر آئی ہے جو کھانے سے باز رکھے گی۔ (ترمذی' ابو داؤد' ابن ماجہ)

☆ تشریح

حضرت جعفرؓ ابو طالب کے فرزند، حضرت علی مرتضیٰؓ کے بھائی ہیں آپ کی شہادت ۸ھ غزوۂ موتہ میں ہوئی۔ موتہ تبوک کے پاس ایک جگہ کا نام ہے۔

حضور ﷺ نے کھانا پکانے کا حکم اپنے اہلِ بیت کو دیا اس کھانے کو جو اہلِ میت کے لئے پکایا جائے عربی میں رُفعَہ، اردو میں بِھتّی اور پنجابی میں کوڑا وٹہ کہتے ہیں۔ یہ کھانا بھیجنا سنت ہے۔ بلکہ چاہئے کہ خود کھانا پکانے والا میت کے گھر کھانا لے جائے اور خود بھی ان کے ہمراہ ہی کھائے۔ انہیں ساتھ کھانے پر مجبور کرے صرف پہلے دن کھانا بھیجا جائے جس دن فوت ہو یا فوت ہونے کی خبر آئے، بعد میں نہ بھیجے۔ تین دن کا رواج غلط ہے۔

سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جعفرؓ کے گھر والے آج غم کی وجہ سے کھانا پکا نہ سکیں گے اگر کوئی کھانا نہ لے گیا تو وہ بھوکے رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کھانا یا وہ لوگ کھائیں جو غم کی وجہ سے پکا نہ سکیں یا باہر کے مہمان جو شرکتِ دفن کے لئے آئے ہیں۔ عام برادری والوں کی دعوت اس وقت ممنوع ہے۔ حضرت جریر ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابہؓ میت کے ہاں دعوت کو نوحہ شمار کرتے تھے۔ اسی کو فقہاء منع کرتے ہیں یعنی تین دن تک تمام محلہ و برادری والوں اور میت والوں کے لئے کھانا بھیجنا اور پھر تیسرے دن خود میت والوں کے ہاں برادری کی روٹی ہونا دھوم دھام سے اسے کھانا یہ دونوں کام سخت منع ہیں۔ خصوصاً جبکہ میت کے یتیم بچے بھی ہوں اور میت کے متروکہ مال سے روٹی کی جائے تو اس کا کھانا اور کھلانا سخت حرام ہے کیونکہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔ الغرض اہلِ میت کی رسمی

دعوت ممنوع ہے اور یہ کھانا ناجائز ہے۔

(مرات)

☆حدیث نمبر ۱۰۹

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلَاثَةٌ اِلَّا اَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ اِثْنَانِ قَالَ اَوْ اِثْنَانِ قَالُوْا وَاحِدٌ قَالَ اَوْ وَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ -

(مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت)

☆ترجمہ

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسے دو مسلمان نہیں جن کے تین بچے فوت ہو جائیں مگر اللہ اپنے فضل سے انہیں جنت میں داخل فرماتا ہے لوگ بولے یا رسول اللہ ﷺ یا دو، فرمایا یا دو لوگ بولے ایک فرمایا، ایک پھر فرمایا، اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری

جان ہے کہ کچا بچہ اپنی ماں کو اپنے ناڑ سے جنت کی طرف کھینچے گا جبکہ وہ طالبِ ثواب ہو۔ (احمد ابن ماجہ نے وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ سے روایت کی)

☆ تشریح

حدیث پاک میں دو مسلمانوں سے مراد ماں باپ ہیں جن کے چھوٹے بچے فوت ہو جائیں اور وہ صبر کریں۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کی دو فرمایا دو پھر عرض کیا گیا ایک تو آپ نے فرمایا ایک۔ معلوم ہوا حضور علیہ السلام رحمتِ الٰہی کے با اختیار قاسم ہیں اور حضور علیہ السلام کی زبان مبارک کُنْ کی کنجی ہے کہ یہ حضور علیہ السلام نے نہ فرمایا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے تین بچے فوت ہونے کے متعلق فرمایا تھا۔ اچھا اب جب جبرائیلؑ آئیں گے تو ان کے ذریعہ رب سے پوچھوالیں گے بلکہ خود ہی جواب دے دیا۔ مزید یہ کہ اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کمال و نقصان کی طرف اشارہ ہے یعنی اول نمبر اور کاملِ مستحقِ رحمت تو وہ ہیں جو تین بچوں پر صبر کریں پھر وہ بھی جو دو یا ایک پر صبر کریں کہ یہ دونوں پہلے کے ساتھ ملحق ہیں۔

(مرقات)

'سَرَرٌ' عربی میں ناڑو کو کہتے ہیں جو بچے کے ناف میں لمبا سا ہوتا ہے جسے عموماً دائی کاٹتی ہے اگرچہ وہ کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے مگر قیامت میں اس بچے کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اجزائے بدن کو وہاں جمع فرمادے گا۔ حتیٰ کہ قلفہ یعنی ختنہ کی کھال بھی وہاں موجود ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ اگرچہ یہ بچہ ماں

باپ دونوں ہی کو جنت میں لے جائے گا مگر ماں کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ ماں کو صدمہ زیادہ ہوتا ہے اور صبر کم ہوتا ہے۔

(مراءت)

شرح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں اس کو آگ صرف قسم پورا کرنے کے لئے چھوئے گی۔ سفیانؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ,, وہ صرف قسم پوری ہونے کے لئے آگ میں داخل ہوگا،،

(شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۱۱۰

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلٰثَۃً مِنَ الْوُلْدِ لَمْ یَبْلُغُوْا الْحِنْثَ کَانُوْا لَہٗ حِصْنًا حَصِیْنًا مِنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ قَدَّمْتُ اِثْنَیْنِ قَالَ وَاِثْنَیْنِ قَالَ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ اَبُوْ الْمُنْذِرِ سَیِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَ وَاحِدًا رَوَاہُ التِّرْمَذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمَذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

(مشکوٰۃ باب البکاء علی المیّت)

☆ترجمہ

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے تین نابالغ بچے آگے بھیج دے تو وہ اس کے لئے آگ سے مضبوط قلعہ ہونگے - حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا ,,دو تو میں نے بھی بھیج دیئے،، فرمایا دو بھی - قاریوں کے سردار ابو المنذر ابی ابن کعبؓ بولے میں نے ایک بھیج دیا ہے - فرمایا ایک بھی -

(ترمذی, ابن ماجہ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

☆تشریح

جس طرح مضبوط و محفوظ قلعہ میں چور ڈاکو, باہر کی آفتیں , سیلاب کا پانی نہیں پہنچ سکتے , اسی طرح اس شخص تک دوزخ کی آگ , وہاں کے سانپ بچھو اور دیگر عذاب ان بچوں کے سبب سے نہ پہنچ سکیں گے -

حضرت ابی ابن کعبؓ کی کنیت ابو المنذر ہے اور نبی اکرم ﷺ نے آپ کو سیدالقراء کا بھی خطاب دیا اور سیدالانصار کا بھی اور حضرت عمر فاروقؓ نے سید المسلمین کا خطاب دیا . ہر خطاب آپ کے لئے موزوں ہے اور آپ پر سجتا ہے وہاں سے تمام خطاب صحیح ملتے ہیں -

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچا بچہ اپنے رب سے جھگڑے گا 'جب اللہ اس کے ماں باپ کو آگ میں داخل کرے گا - تو فرمایا جائے گا اے رب سے جھگڑنے والے گرے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا, تب وہ

انہیں اپنے ناز سے کھینچے گا حتی کہ انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ خیال رہے یہاں بچے کا جھگڑنا ناز و محبت کا جھگڑنا مراد ہے۔

(مراٰۃ)

☆ حدیث نمبر ۱۱۱

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةَ وَ اللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةِ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنَ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُّغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیَتَصَدَّقُ عَلَیْهِ وَ لَا یَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

(مشکوٰۃ باب من لا تحل له الصدقة)

☆ ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لوگوں پر چکر لگاتا پھرے اسے ایک دو لقمے یا ایک دو چھوہارے لوٹا دیں۔ لیکن مسکین وہ ہے جو غنا بھی نہ پائے جس سے لوگوں سے لاپرواہ ہو جائے اور اسے پہچانا بھی نہ جائے تاکہ اسے صدقہ دے دیا جائے اور نہ اٹھ کر لوگوں سے سوال

کرے۔ (بخاری و مسلم)

☆ تشریح

یعنی جس مسکینیت پر ثواب ہے اور صابروں کے زُمرہ میں داخل ہے وہ یہ بھکاری فقیر نہیں ہے بلکہ یہ تو عام حالات میں اسی سوال پر گنہگار ہے کہ جب وہ بھیک مانگنے کے لئے اتنی دوڑ دھوپ کر سکتا ہے تو وہ کمانے کے لئے بھی کر سکتا ہے۔ ہاں صابر مسکین وہ ہے جو حاجتمند ہو مگر پھر کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہ کرے۔ اپنے فقر کو چھپانے کی کوشش کرے۔ اس مسکین کی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تعریف فرمائی ہے۔ فرمایا کہ:۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں مقیّد ہو گئے ہوں)

یہ خیال رہے کہ جس مسکینیت کی دعا حضور ﷺ نے مانگی ہے وہ مسکینیت دل ہے یعنی دل میں عجز وانکسار ہونا، تکبر اور غرور نہ ہونا۔ ایسا شخص اگر مالدار بھی ہو تو مبارک مسکین ہے۔ جن احادیث میں فقر و مسکینیت سے پناہ مانگی گئی ہے وہ ایسی تنگدستی ہے جو فتنہ میں مبتلا کر دے۔

(مرأت)

☆ حدیث نمبر ۱۱۲

عَنْ اِبْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى ا

لِصَدَقَةٍ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَ اَدَّيْتُهَا اِلَيْهِ اَمَرَ لِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَاَجْرِيْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ خُذْ مَا اَعْطَيْتَ فَاِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَ تَصَدَّقْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤٗدَ -

(مشکوٰۃ باب لا تحل له المسئلة و من تحل له)

☆ترجمہ

روایت ہے حضرت ابن ساعدیؓ سے - فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے صدقہ پر عامل بنایا - جب میں اس سے فارغ ہوا اور صدقہ آپ کی خدمت میں ادا کر دیا تو مجھے اجرت کا حکم دیا ۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے کام کیا ہے ۔ میری اُجرت اللہ پر ہے - فرمایا جو تمہیں دیا جائے لے لو ۔ میں نے بھی زمانہ نبوی ﷺ میں یہ عمل کیا تھا - مجھے حضور ﷺ نے اُجرت دی تھی تو میں نے بھی تمہارے جیسی عرض کی تھی تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ تمہیں بغیر مانگے ملے وہ کھالو اور صدقہ کرو -

(ابو داؤد)

☆ تشریح

حدیث پاک کے راوی کو ابن ساعدیؓ اور ابن سعدی بھی کہتے ہیں اپنی اسی کنیت میں مشہور تھے۔ صحابیؓ تھے اور آپ نے شام میں ۵۷ھ میں وفات پائی۔

(اشعہ)

ابن ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مجھے لوگوں کے ظاہری مال ، جانور ، زرعی پیداوار وغیرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا۔ اس زمانہ میں وصولی زکوٰۃ کا باقاعدہ محکمہ ہوتا تھا۔ جس میں ان لوگوں کو زکوٰۃ سے اُجرت دی جاتی تھی اور انہیں عامل کہا جاتا تھا۔ قرآن پاک میں مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا بھی ذکر ہے فرمایا :۔ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا (زکوٰۃ وغیرہ لینے کے لئے کام کرنے والے)

حضرت ابن ساعدیؓ کا خیال یہ تھا کہ اُجرت لینے سے ثواب ختم ہو جاتا ہے اور میں نے یہ کام ثواب کے لئے کیا ہے۔ اس لئے اُجرت لینے سے انکار کیا۔ سبحان اللہ کیسی پیاری تعلیم فرمائی گئی کہ بغیر مانگے جو اللہ دے اسے نہ لینا گویا اللہ کی نعمت کا ٹھکرانا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا یہ ضرور لو۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

اول یہ کہ نیک اعمال کی اُجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ علماء ، قاضی ، مدرسین حتیٰ کہ خود خلیفہ کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی۔ سوائے حضرت عثمان غنیؓ کے باقی تینوں خلفاء نے بیت المال سے خلافت کی تنخواہ وصول کی ہے۔

دوم یہ کہ جب کام کرنے والے کی نیت خیر ہو تو تنخواہ لینے سے انشاء اللہ

ثواب کم نہ ہوگا۔ صرف تنخواہ کے لیے دینی کام نہ کرے۔ تنخواہ تو گزارے کے لئے وصول کرے اصل مقصد دینی خدمت ہو۔

سوم یہ کہ غنی بھی یہ اُجرتیں لے سکتا ہے صرف فقیر ہی کو اجازت نہیں۔ پھر لے کر خود بھی کھا سکتا ہے۔ اس سے خیرات بھی کر سکتا ہے۔

خیال رہے اس حدیث کی بناء پر امام احمدؒ کے ہاں ہدیہ قبول کرنا واجب ہے جبکہ باقی جمہور علماء کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے۔

(مرأت)

مرقات نے اس جگہ فرمایا کہ سلطانِ اسلام پر واجب ہے کہ ایسے علماء مفتیوں، مدرّسوں کی تنخواہیں مقرر کرے جنہوں نے اپنی ذات کو دینی خدمات کے لیے وقف کر دیا ہو۔

(مرقات)

اس دور میں چونکہ سلطانِ اسلام عموماً دینی امور سے لاتعلق رہتا ہے اس لیے دینی اداروں کے سربراہ، علماء اور مدرّسین کی خدمات کے ذمہ دار ہونگے۔ حدیث پاک سے اشارتاً معلوم ہوا کہ دینی طلباء سے ختمِ قرآن کے بعد ان کی دعوت کرنا اور انہیں کچھ نقدی بھی دینا جائز ہے۔ یا علمائے دین سے وعظ کرا کر کرایہ اور نذرانہ دیا جا سکتا ہے کیونکہ ختمِ قرآن اور وعظ فی سبیل اللہ ہے۔ اور ان کی خدمات بھی فی سبیل اللہ ہیں۔ اسی دَم اور تعویذ کی اُجرت بھی لی جا سکتی ہے کیونکہ یہ علاج کی اُجرت ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کی۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر مار گزیدہ پر دَم کیا اور اُجرت میں تین بکریاں لیں جن کا گوشت

حضور علیہ السلام نے بھی ملاحظہ فرمایا۔ہاں علماء اور حفاظ دینی کام کرتے وقت نیت فی سبیل اللہ کی رکھیں۔اس نیت سے انشاء اللہ دین ودنیا سنور جائیں گے ۔یہ بات تجربہ شدہ ہے۔

(مرأت معہ اضافہ)

شرح مسلم میں حضرت عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو صحابہ کرامؓ نے ان کے لئے دو ہزار مقرر کئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اس میں اضافہ کرو کیونکہ میرے عیال ہیں اور تمہاری مصروفیات نے مجھے تجارت سے روک دیا ہے۔تب صحابہ کرامؓ نے پانچ سو کا اضافہ کر دیا۔وضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں تین معلم بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمرؓ ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ہر ماہ دیتے تھے۔تعلیم قرآن پر اُجرت کا مسئلہ اختلافی ہے۔بعض کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔ خیال رہے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔لیکن موجودہ دور میں یہ ایک مجبوری ہے ۔وہ یہ کہ اُجرت کے بغیر سلسلہء تعلیم قرآن ختم ہو سکتا ہے۔

(شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۱۱۳

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ

مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَآءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَ قَالَ هٰذَا لِاُمِّ سَعْدٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ -

(مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ)

☆ترجمہ

حضرت سعد ابن عبادہؓ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اُمِ سعد وفات پا گئیں- تواب کونسا صدقہ بہتر ہے- فرمایا پانی - لہٰذا سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں اُمِّ سعد کا ہے-

(ابو داؤد ، نسائی)

☆ تشریح

حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ میں کونسا صدقہ دے کر ان کی رُوح کو اس کا ثواب بخشوں- اس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات میّت کو نیک اعمال خصوصاً مالی صدقہ کا ثواب بخشنا سنّت ہے قرآن پاک میں جو ہے:-

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(اس کو ثواب بھی اس کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہو گا جو ارادہ سے کرے) یا فرمایا :-

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

"انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی"

جن سے معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی کی ہوئی نیکیاں فائدہ مند ہیں-

وہاں بدنی فرائض مراد ہیں اسی لئے وہاں کَسَبَتْ اور سَعٰی ارشاد ہوا یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نمازیں ادا نہیں کر سکتا- ثواب ہر عمل کا بخش سکتے ہیں- لہٰذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں- قرآن کریم سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نیکوں کی برکت سے مُردوں کی آفتیں ٹل جاتی ہیں- اللہ کا فرمان ہے:-

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا)

فرمایا ان کی طرف سے پانی کی خیرات کرو- کیونکہ پانی سے دینی دنیاوی منافع حاصل ہوتے ہیں خصوصاً ان گرم و خشک علاقوں میں جہاں پانی کی کمی ہو- بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں. عام مسلمان ختم. فاتحہ وغیرہ میں دوسری چیزوں کے ساتھ پانی بھی رکھ دیتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ حدیث شریف ہے- اس سے معلوم ہوا کہ پانی کی خیرات بہتر ہے-

لِاُمِّ سَعْدٍ فرما کر بتایا کہ اُمّ سعد کی روح کے ثواب کے لئے ہے یہ لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا- اس سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ ثواب بخشتے وقت ایصال ثواب کے الفاظ زبان سے ادا کرنا سنّتِ صحابہؓ ہے کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو پہنچے- دوسرا یہ کہ کسی چیز پر میت کا نام آجانے سے وہ شے حرام نہ ہو گی- دیکھو حضرت سعدؓ نے اس کنوئیں کو اپنی مرحومہ ماں کے نام پر منسوب کیا- وہ کنؤاں شائد اب بھی آباد ہو اور اس کا نام بئر اُمِّ سعد ہی تھا- یہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے خلاف نہیں کہ وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کئے جائیں- یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے- ابو داؤد کی ایک سند میں یوں ہے -

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ السَّبِیْعِیْ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ

چونکہ اس میں عَنْ رَجُلٍ آگیا اس لئے یہ سند مجہول ہو گئی۔ دوسری سند میں یوں ہے عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ سَعْدًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الخ .... یہ اسناد ابو داؤد، نسائی اور ابن حبان میں بھی ہیں

تیسری سند یوں ہے - عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ وَالْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ كِلَا هُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ یہ دونوں اسناد منقطع ہیں۔ کیونکہ سعید ابن مسیبؓ اور حسن بصریؒ کی ملاقات حضرت سعد بن عبادہؓ سے نہ ہوئی

(مرقات)

مگر یہ انقطاع وجہالت کوئی مضر نہیں، چند وجوہات سے۔

ایک یہ کہ یہ حدیث اس بناء پر زیادہ سے زیادہ ضعیف ہو سکتی ہے اور حدیث ضعیف فضائلِ اعمال اور ثبوتِ استحباب میں کافی ہوتی ہے۔ دیکھئے کتبِ فقہ اور شامی وغیرہ۔ ایصالِ ثواب فرض یا واجب نہیں بلکہ صرف سنّتِ مستحبہ ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ کسی حدیثِ صحیح کے متعارض نہیں۔ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ ایصالِ ثواب حرام ہے تاکہ یہ حدیث چھوڑ دی جائے۔

تیسرا یہ کہ اس حدیث کی تائید بہت سی صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور ﷺ ایک قربانی اپنی اُمت کی طرف سے کرتے تھے اور فرماتے تھے الٰہی اسے اُمتِ مصطفٰی کی طرف سے قبول فرما لے۔

(بخاری و مسلم)

اور سیدنا علی المرتضیٰؓ ہمیشہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرتے رہے

فرماتے تھے مجھے حضور ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ (ابو داؤد ، ترمذی)

چوتھا یہ کہ اس حدیث کی تائید آیتِ قرآنی سے بھی ہوتی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

(اور انکے اموال میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے) اور فرماتا ہے۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوَاتِ الرَّسُوْلِ

(اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور رسول ﷺ کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں)

پانچواں یہ کہ ہمیشہ سے سارے مسلمان ایصالِ ثواب پر عمل کرتے رہے اور عملِ امت کی وجہ سے حدیثِ ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔

چھٹا یہ کہ جب امام بخاریؒ کی تعلیق قبول ہے جن میں وہ اسناد بیان ہی نہیں کرتے۔ سیدھے کہہ دیتے ہیں۔ قَالَ ابْنِ عَبَّاسٍ کیونکہ امام بخاریؒ ثقہ ہیں تو حضرت سعید ابن مسیبؓ اور خواجہ حسن بصریؒ کا انقطاع بھی قبول کیونکہ یہ دونوں حضرات امام بخاریؒ سے کم ثقہ نہیں بلکہ اپنے یقین کامل کی بناء پر براہِ راست حضرت سعدؓ کا واقعہ بیان کر دیا۔

(مراءات)

شارح مسلم علامہ سعیدیؒ بحوالہ امام بخاریؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ ان کی عدم موجودگی میں فوت ہو گئیں انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا کہ اگر میں والدہ کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ سعدؓ نے عرض کی یا رسول

اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

(شرح مسلم ج(۷) صفحہ ۹۲)

حدیث نمبر ۱۱۴

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَقِیَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِیَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِیَ كُلُّهَا غَیْرَ كَتِفِهَا رَوَاهُ التِّرْمَذِیُّ وَ صَحَّحَهٗ۔

(مشکوۃ باب فضل الصدقۃ)

☆ ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اہل بیت نے بکری ذبح کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس میں سے کیا بچا وہ بولیں کہ کندھے کے سواء کچھ نہ بچا۔ فرمایا کندھے کے سواء سب کچھ بچ گیا۔

(ترمذی اور ترمذی نے اسے صحیح فرمایا)

☆ تشریح

بکری ذبح کرنے والے بعض صحابہ کرام تھے یا بعض اہل بیت۔ چونکہ ازواج

مطہراتؓ کو اہلِ بیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مذکر ہے اس لئے جمع مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا۔

حضور ﷺ کے پوچھنے پر ازواج مطہراتؓ نے عرض کیا سارا گوشت خیرات کر دیا گیا ہے صرف ایک شانہ بچا ہے۔ غالبًا یہ گھر کے خرچ کے لئے رکھا گیا ہوگا۔ اور یہ بکری صدقہ کے لئے ذبح کی گئی ہوگی کیونکہ صدقہ کا گوشت گھر کے خرچ کے لئے نہیں رکھا جاتا تھا۔

حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو راہِ خدا میں صدقہ دے دیا گیا وہ باقی اور لازوال ہو گیا اور جو اپنے کھانے کے لئے رکھا گیا وہ ہضم ہو کر فناہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

(اور جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا)

(مراۃ)

☆ حدیث نمبر ۱۱۵

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَ ثَلٰثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَئَا لَهُمْ بِاللّٰهِ وَ لَمْ يَسْئَالْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْيَانِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِیْ

اَعطَاهُ وَقَومٌ سَارُوْ لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهِ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَ يَتْلُوْا اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهِ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ اَلشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

(مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ)

☆ ترجمہ

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے محبت کرتا ہے اور تین سے سخت ناراض۔ جن سے وہ محبت کرتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جو کسی قوم کے پاس پہنچا ان سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا اپنی آپس کی قرابت داری کی وجہ سے نہ مانگا لوگوں نے اسے منع کر دیا تو ان ہی میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا اسے چھپ کر کچھ دے دیا ۔ جس کا عطیہ اللہ کے سوا اور اس دینے والے کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ایک وہ قوم جو رات بھر چلتی رہی حتیٰ کہ جب انہیں نیند ہر ماسوا سے پیاری ہو گئی تو سر رکھ کر سو گئے ۔ تو یہ شخص کھڑے ہو کر میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کیں۔ اور وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا دشمن سے جنگ کی لوگ بھاگ پڑے تو یہ اپنا سینہ تان کر کھڑا ہو گیا حتیٰ کہ قتل

کر دیا گیا- یا اس کی وجہ سے فتح ہو گئی- اور وہ تین جن سے اللہ سخت ناراض ہے ایک بوڑھا زانی ، دوسرا متکبر فقیر اور تیسرا ظالم غنی-

(ترمذی ، نسائی)

☆ تشریح

اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد خصوصی محبت ہے اور ناراضی سے بھی خصوصی ناراضی مراد ہے- ورنہ اللہ تعالیٰ تمام کفار اور فاسقوں سے ناراض ہے-

قوم کے پاس آنے والا شخص اور مانگنے والا خدا کا محبوب نہیں بلکہ وہ تو دینے والا ہے- جس کا ذکر آگے آرہا ہے- اس کے صدقہ کی اہمیت دکھانے کے لئے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا-

(لمعات)

اگرچہ قرامت دار فقیر کو دینے میں دوگنا ثواب ہے- مگر یہاں اس سخی کا اس اجنبی ناواقف فقیر کو دینا بہت ہی کامل ہوا کیونکہ یہاں سوائے رضاءِ الٰہی کے اور کوئی چیز فقیر کی ممنونیت وغیرہ ملحوظ نہ تھی-

لفظ اَعْطَاهُ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے لینے والا فقیر مراد ہو- دوسرا یہ کہ اس سے دینے والا سخی مراد ہو- مطلب یہ کہ اس سخی نے اپنا منہ چھپا کر یا اندھیرے میں اس طرح دیا کہ فقیر کو بھی پتہ نہ چلا کہ کون دے گیا ۔ چونکہ اس شخص نے صدقہ بھی دیا- اس قوم کی مخالفت بھی کی اور فقیر کی ٹوٹی آس بھی پوری کی -اس لئے یہ خدا کا زیادہ پیارا ہوا-

عرب میں عموماً اب بھی رات میں سفر ہوتا ہے اور تھکن اتارنے کے لئے مسافر آخر رات میں آرام کر لیتے ہیں- چونکہ اس تہجد خواں نے تین بہادریاں کیں اس لئے یہ خدا تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوا- ایسی حالت میں نیند پر عبادت کو ترجیح دینا- سب کو سوتا دیکھ کر بھی نہ سونا- عابدوں میں عبادت آسان ہے غافلوں میں مشکل- اور تہجد کی نماز غافلوں میں رہتے ہوئے پڑھنا مشکل کام ہے-

حدیث پاک میں لفظ تَمَلُّقْ ملق سے بنا بمعنی دوستی ونرمی، ناجائز نرمی کا نام چاپلوسی ہے اور جائز نرمی کا نام خوشامد نیاز مندی وغیرہ ہے- یہاں دوسرے معنی میں ہے- صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ خوشامد اصل عرفان اور بندے و رب تعالیٰ کے درمیان خاص تعلق کا باعث ہے یہ حال قال سے وراء ہے-

وہ شخص جو جنگ میں گیا، ڈٹا رہا- اس طرح کہ اس اکیلے کی جرأت ہمت دیکھ کر بھاگنے والوں میں دلیری پیدا ہوئی- پلٹ پڑے اور جم کر لڑے جیسا کہ غزوہ حنین میں ہوا کہ اس دن سارے غازیوں کے قدم اکھڑ گئے تھے - حضور ﷺ میدان میں جمے رہے پھر وہی صحابہؓ پلٹ پڑے، جم کر لڑے اور میدان جیت لیا-

اَلشَّیْخُ الزَّانِیْ سے ظاہر ہے کہ بوڑھا آدمی نہ کہ شادی شدہ جوان- چونکہ بڑھاپے میں موت قریب نظر آتی ہے- شہوانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں- بوڑھا بہت تکلف سے ہی صحبت کر سکتا ہے اس لئے اس کا زنا انتہائی خباثت کی دلیل ہے کہ اسے نہ موت کا خوف اور نہ اللہ و رسول کا شرم-

اگرچہ ہر متکبر بُرا ہے مگر فقیر کا تکبر زیادہ بُرا کیونکہ اس کے پاس اس کے

اسباب نہیں ہیں- محض شیطان کے دھوکے سے اپنے کو بڑا جاننا ہے- خیال رہے کہ تکبر ، استغناء اور تعفف میں بڑا فرق ہے اور مسلمانوں کو اپنے سے حقیر جاننا تکبر ہے اور اپنے کو ان سے بے نیاز سمجھنا صرف اللہ و رسول ﷺ ہی کا محتاج جاننا بہت اعلیٰ وصف ہے- اسی کو استغناء وغیرہ کہتے ہیں اس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ، نے یوں فرمایا :-

شعر
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں بجچے دیکھ کے تلوا تیرا

ع
کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ کفار اور متکبرین کے مقابلہ میں تکبر کرنا عبادت ہے-

(مرقات)

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ حضرت بشیر ابن حارث رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ، عرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے ، فرمایا کہ امیروں کا فقیروں پر مہربانی کرنا بہت اچھا ہے مگر فقیروں کا خدا پر توکل کر کے امیروں سے تکبر کرنا اس سے بھی اچھا ہے -

اَلْغَنِیُّ الظَّالِمُ یعنی اپنے نفس پر ظالم کہ نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور مخلوق پر ظالم کہ انہیں بجائے نفع پہنچانے کے ستاتا ہے چونکہ ان لوگوں کے جرم سخت ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہے- (مرقات)

شارح مسلم علامہ سعیدیؒ ایک دوسری حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بوڑھے آدمی کی طویل زمانہ گزر جانے اور متعدد تجربات کے حصول کی وجہ سے عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس میں جماع کے اسباب اور شہوت کم ہو جاتی ہے اگر تھوڑی ہو بھی تو حلال ذرائع موجود ہوتے ہیں تو پھر اس کا زنا کرنا بہت بعید ہوتا ہے کیونکہ زنا کا محرک شباب، حرارت غریزہ، قلتِ معرفت، غلبہ شہوت، ضعفِ عقل اور کم عمری ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بوڑھے کا زنا بہت ہی بُرا ہے۔ اسی طرح فقیر کا تکبر کرنا بہت بُرا ہے۔ کیونکہ تکبر کا سبب اپنے ہم عصروں پر فائق ہونا دنیا کی کثرت اور لوگوں کا اس کی طرف محتاج ہونا ہے تو جس شخص کے پاس مال و دولت نہ ہو اور وہ خود دوسروں کا دستِ نگر اور محتاج ہو تو اس کا تکبر کرنا بہت بُرا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔

(شرح مسلم ج ۱)

☆ حدیث نمبر ۱۱۶

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

(مشکوٰۃ باب متفرق)

☆ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے - فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے میں وصال کرنے سے منع فرمایا تو کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ تو وصال کرتے ہیں - فرمایا تم میں مجھ جیسا کون ہے ؟ میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے -

(بخاری و مسلم)

☆تشریح

روزہ کا وصال یہ ہے کہ رات کو بغیر افطار کئے ، بغیر کچھ کھائے پئے دوسرا روزہ رکھ لیا جائے - حق یہ ہے کہ یہ وصال ہمارے لئے مکروہ تحریمی ہے اور یہاں ممانعت حرمت کی ہے - اس ممانعت میں صدہا حکمتیں ہیں - وصال سے جسم بہت کمزور ہو جاتا ہے ، وصال سے دوسری عبادتیں بھاری پڑ جاتی ہیں - وصال میں جوگیوں ، سادھوؤں کی مشابہت ہے ، وصال ساری امت کے لئے ناجائز ہے خواہ اولیاء ہوں یا دیگر طبقہ کے لوگ -

حضور ﷺ صرف ایک دن کا نہیں بلکہ لگاتار کئی کئی روز کا وصال فرماتے تھے کہ مسلسل روزے پر روزہ رکھتے تھے - اس لئے سائل کو شبہ ہوا کہ وصال تو سنت رسول اللہ ﷺ ہونا چاہئے - منع کیوں ہے ؟

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ میں استفہام انکاری ہے اور اَیُّکُمْ میں صحابہؓ اور تمام انسانوں سے خطاب ہے یعنی تم میں مجھ جیسا کوئی نہیں - جب صحابہؓ حضور انور

ﷺ کی مثل نہ ہو سکے اور کسی کا کیا منہ ہے جو ان سے ہمسری کا دعویٰ کرے۔

ہمارا تو عقیدہ ہے۔

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی است

ترجمہ = اپنی نسبت تیرے کتے سے کی ہے لیکن بہت شرمندہ ہوں۔ کیونکہ تیرے کتے کے ساتھ اپنی نسبت کرنا سخت بے ادبی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں خالص بشریت میں تشبیہ ہے جس میں اَلُوْہِیَّتْ کا خلط نہ ہو یعنی میں تمہاری طرح خالص بشر ہوں نہ خدا، نہ خدا کا ساجھی۔ پھر میری بشریت سے نبوت کا خلط ہوا جسے يُوحٰى اِلَيَّ نے بیان کیا۔ لہٰذا یہ حدیث آیتِ قرآنی کے خلاف نہیں تمام جہان کے اولیاء ایک صحابیؓ کی مثل نہیں ہو سکتے جس نے ایمانی نگاہ سے ان کا چہرہ ایک آن دیکھا ان کی ذات تو بہت اعلیٰ ہے۔

علماء نے اس کھلانے پلانے کی بہت توجیہیں بیان کی ہیں بعض نے کہا کہ اس سے قوت برداشت مراد ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے روحانی غذائیں مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک فیضان اور مناجات کی لذتیں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھوک پیاس کا نہ ہونا مراد ہے۔ لیکن حضرتِ عشق کا فتویٰ نرالا ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنیٰ پر ہے اور اس میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تین نعمتوں کا ذکر فرمایا ایک یہ کہ تم سب اپنے بیوی بچوں کے پاس رات گزارتے ہو اور میں اپنے رب کے پاس۔

فرشی و بر اوج عرش منزل امّی و کتاب خانہ در دل

امّی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

ترجمہ = زمین پر رہتے ہیں لیکن عرش کی بلندیوں پر منزل ہے- کسی سے پڑھا نہیں لیکن تمام کتابیں دل میں ہیں- امّی ہیں اور تمام جہاں کی گہرائیاں جاننے والے ہیں- اپنا سایہ نہیں لیکن تمام جہان کے لئے سایہ ہیں-

دوسرا یہ کہ میں اللہ کے پاس رہ کر خود نہیں کھاتا پیتا بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے- کھلانے والا اس کا دستِ کرم ہے- کھانے والا میں- تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ روزی کھلاتا پلاتا ہے جس سے نہ روزہ ٹوٹے اور نہ روزوں کا تسلسل جائے یعنی جنت کے میوے اور سبیلِ تسنیم وغیرہ کے شربت-

چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور انور ﷺ کی مثل نہیں ہو سکتا- جب انسان کو ناطق کی قید نے تمام حیوانات سے ذاتی امتیاز دے دیا تو نبوت اور وحی کی صفتوں نے بھی حضور ﷺ کو تمام انسانوں سے ذاتی طور پر ممتاز کر دیا- دوسرا یہ کہ اگر حضور ﷺ بہ نیت عبادت کھانا پینا چھوڑ دیں تو خواہ ہفتوں نہ کھائیں ضعف و کمزوری بالکل طاری نہ ہو گی- اور اگر بطورِ عادت کھانا ملاحظہ نہ کریں تو ضعف نمودار ہو گا اور شکم پاک پر پتھر بھی باندھے جائیں گے کیونکہ آپ ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی- عبادت میں نورانیت کا ظہور ہے اور عادت میں بشریت کی جلوہ گری ہے- تیسرا یہ کہ جنتی میوے کھانے اور وہاں کا پانی پینے سے روزہ نہیں جاتا- جس طرح اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور حضور ﷺ کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی- بعض اولیاء خواب میں کھا پی لیتے ہیں کہ کھانے کی خوشبو

بیداری کے بعد ان کے منہ میں پائی جاتی ہے مگر ان کا روزہ قائم رہتا ہے۔ دیکھو احتلام سے ہمارا روزہ نہیں جاتا۔ چوتھا یہ کہ بعض بندوں کو اسی زندگی میں جنتی میوے ملتے ہیں۔ حضرت مریمؑ کا جنتی میوے کھانا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ پانچواں یہ کہ حضور علیہ السلام کا ہر کام ہمارے لئے سنت نہیں بلکہ وہ کام سنت ہے جو ہمارے لئے لائقِ عمل ہو۔ خصوصیاتِ مصطفویؐ ہمارے لئے سنت نہیں۔ ۹ بیویاں نکاح میں جمع فرمانا، روزہ وصال ہمارے لئے نہ سنت ہیں نہ لائقِ عمل سنت و حدیث میں یہی فرق ہے۔

(مراءت)

☆ حدیث نمبر ۱۱۷

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَ اللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّیْلَ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَ اَفْطِرْ وَ قُمْ وَ نَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اَنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَیْکَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مِّنْ کُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ صُمْ کُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ

وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ کُلِّ شَھْرٍ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِیَامَ یَوْمٍ وَّ اِفْطَارَ یَوْمٍ وَّ اقْرَاْ فِیْ کُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ مَرَّۃً وَلَا تَزِدْ عَلٰی ذٰلِکَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

(مشکوٰۃ باب صیام التطوّع)

☆ ترجمہ

روایت ہے حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن عاصؓ سے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عبداللہ کیا مجھے یہ خبر نہ ملی کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو۔ قیام بھی کرو اور آرام بھی کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے۔ جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں۔ ہر مہینہ تین روزے ساری عمر کے روزے ہیں۔ ہر مہینہ میں تین روزے رکھو اور ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا تو تم بہترین روزے "روزۂ داؤد" رکھو۔ ایک دن روزہ ایک دن افطار۔ اور سات راتوں میں قرآن پاک ختم کرو۔ اس سے زیادہ نہ کرو۔

(بخاری، مسلم)

☆ تشریح

فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ تم سوائے پانچ ممنوعہ دنوں کے باقی سال بھر کے مسلسل روزے رکھتے ہو اور رات کو عبادات کہ نہ دن میں کبھی افطار کرتے ہو نہ رات میں سوتے ہو - تم اتنے کمزور ہو جاؤ گے کہ فرضی عبادتیں اور لوگوں کے شرعی حقوق ادا نہ کر سکو گے اور نفل کی وجہ سے فرض چھوڑنا یا فرض چھوٹنے کے اسباب پر عمل کرنا نہ عقلاً مناسب ہے نہ ہی شرعاً ٹھیک ہے - خیال رہے اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے - جو چیز فرائض چھوڑا دے وہ حرام ہے - خیال رہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے اور بالکل نہ سونے سے نگاہ کمزور پڑ جانے کا خطرہ ہے -

سرکار علیہ ﷺ کا کیا حکیمانہ جواب ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے اور شب بیداری کرنے سے تم کمانہ سکو گے اور بیوی کو منہ نہ لگاؤ گے . ملاقاتی لوگ اور مہمان چاہتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ کھاؤ پیؤ اور رات کو دو گھڑی ان سے بات چیت کرو تم یہ بھی نہ کر سکو گے - معلوم ہوا ہمیشہ روزے رکھنے کی ممانعت ہم جیسے لوگوں کے لئے ہے - جو تمام حقوق چھوڑ بیٹھیں - جن کے لئے ہمیشہ روزہ اور رات بھر کا جاگنا مذکورہ حقوق سے آڑ نہ ہو - ان کے لئے اس میں حرج نہیں - مگر ایسے بہادر لوگ لاکھوں میں ایک آدھ ہیں جیسے حضرت طلحہؓ اور تابعین میں امام ابو حنیفہؒ وغیرہ -

جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں کا مطلب یہ کہ کامل روزے نہ رکھے جس سے پورا ثواب ملے - ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے - اس ترتیب سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا ثواب پورے مہینہ کے روزوں کا ہو گا -

بہتر یہ ہے کہ تین روزے چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کو رکھے جائیں۔

"ہر مہینہ ایک قرآن ختم کرو" یہ جملہ قرآن کریم کے تیس پارے بنانے کی اصل ہے۔ زمانہ نبوی میں قرآن کریم کی تقسیم سورتوں اور منزلوں پر تھی۔ رکوع اور پاروں پر نہ تھی۔ پھر خلافتِ عثمانیہ میں اس میں رکوع قائم کیے گئے کہ حضرت عثمان غنیؓ تراویح کی رکعتوں میں جس قدر تلاوت کر کے رکوع فرماتے اس کا نام رکوع رکھا گیا اور حاشیہ پر "ع" کا نشان لگایا گیا۔ تاکہ تراویح کا باقاعدہ رواج دینے والے جناب عمرؓ اور اس رواج کو دنیا میں پھیلانے والے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ ہو۔ تراویح روزانہ بیس رکعت ہوتی تھیں اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن۔ اس طرح قرآن پاک کے 540 (پانچ سو چالیس) رکوع ہوئے۔ بہت عرصہ کے بعد قرآن پاک کے تیس پارے کیے گئے تاکہ روزانہ تلاوت کرنے والوں کو آسانی رہے اور اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر مہینہ ایک قرآن ختم کر لیا کریں۔ بعض حفاظ کو میں نے دیکھا ہے بلکہ الحمد للہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں کہ بیس رکعت تراویح میں بیس رکوع تلاوت کرنے سے ستائیسویں شب ختم قرآن ہوگا۔

عبد اللہ ابن عمروؓ نے عرض کی مجھے زیادہ عبادت کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کی اس ممانعت سے ان کے لیے اتنے نوافل اور روزے ناجائز ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ خوشامد کر کے زیادہ کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اس سے جہاں حضور انور ﷺ کے خداداد اختیارات معلوم ہوئے وہاں صحابہ کا شوق عبادت بھی ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے طفیل ہمیں بھی

عبادات کا شوق عطا فرمائے- آمین

سات راتوں میں ختم قرآن کہ روزانہ فی بشوق کی ترتیب پر ایک منزل پڑھو تاکہ ہفتہ میں ایک قرآن ختم ہو- یاد رہے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو حضرت عبداللہؓ جیسی طاقت رکھتے ہوں, کمزور لوگ مہینہ میں ختم کریں- اور زیادہ قوی لوگ ہفتہ سے بھی کم وقت میں ختم کر سکتے ہیں- جو مہینہ میں بھی ختم نہ کر سکے وہ بڑا محروم ہے-

(مرأت وغیرہ)

☆ حدیث نمبر ۱۱۸

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ مَعَہٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَءْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ثُمَّ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَہْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ-

(مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی و فضلها)

☆ترجمہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب میں بیٹھا اور اللہ کی حمد سے ابتداء کی پھر نبی کریم ﷺ پر درود شریف پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا مانگ لے دیا جائے گا، مانگ لے دیا جائے گا۔

(ترمذی)

☆تشریح

یہ حضرات نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے میں نوافل وغیرہ پڑھ رہا تھا کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ علیٰحدہ فرض نہیں پڑھتے تھے بلکہ جماعت سے پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا سنّت ہے۔

حدیث پاک سے چند ایک مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز کے بعد دعا مانگنا سنّت ہے۔ دوسرا یہ کہ دعا میں ترتیب یہ چاہئے کہ پہلے حمدِ الٰہی کرے۔ پھر درود شریف پڑھے پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگے پھر دعا مانگے۔ شامی نے فرمایا کہ دورانِ دعا بار بار درود شریف پڑھتا رہے۔ درودوں سے بھری ہوئی دعا انشاء اللہ رد نہیں ہوتی۔

ترمذی، نسائی میں حضرت فضالہ ابن عبیدؓ روایت فرماتے ہیں کہ سرکار ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی

جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ کی حمد کر جس کے وہ لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر۔ اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی اللہ کی حمد اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے نمازی مانگ قبول ہو گی۔

معلوم ہوا رب دینے والا ہے اور اس کے حبیب دلوانے والے اور بانٹنے والے ہیں یا اس طرح کہو کہ رب سے مانگنا ہے تو حضور ﷺ کے وسیلہ سے مانگو۔ لہٰذا حمد و صلوٰۃ کے بعد دعا مانگی جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی دعا بغیر حمد و صلوٰۃ قبول نہیں ہوتی۔ یہ دونوں دعا کی قبولیت کی شرطیں ہیں۔

(مراٰۃ)

غالباً اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے عامۃ المسلمین دعا عموماً اس طرح شروع کرتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ اور دعا ختم کرتے ہوئے اس طرح درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ دعا کے اول ، وسط اور آخر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ علامہ فاسی نے دلائل الخیرات کی شرح میں لکھا ہے کہ علامہ شاطبی نے شرح الفیہ میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنا قطعی طور پر مقبول ہے اور جب کوئی شخص درود شریف کے ساتھ کوئی دعا مانگے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے قبول کی جائے گی۔ نیز علامہ فاسی فرماتے ہیں کہ کل اعمال میں سے بعض مقبول ہوتے ہیں اور بعض مردود لیکن درود شریف

صرف مقبول ہے مردود نہیں۔

(شرح مسلم ج(۱) صفحہ ۱۱۷۳)

☆ حدیث نمبر ۱۱۹

عَنْ اُمِّ هَانِيٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ اُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوَهٗ وَفِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا اِنِّيْ كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَآءَ صَامَ وَاِنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔

(مشکوٰۃ باب متفرق الصوم)

☆ترجمہ

حضرت اُمِّ ھانیؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت فاطمہؓ آئیں اور رسُول اللہ ﷺ کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور اُمِّ ھانیؓ حضور ﷺ کے دائیں طرف تھیں، تو ایک لونڈی ایک برتن لائیں جس میں شرمت تھا حضور ﷺ کو پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس سے پیا پھر اُمِّ ھانیؓ کو دے دیا انسوں نے پیا۔ پھر بولیں یارسُول اللہ ﷺ میں نے روزہ توڑ لیا۔ میں تو روزہ دار تھی۔ تو فرمایا کہ کیا تم کوئی روزہ قضا کر رہی تھیں۔ بولیں نہیں۔ فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو تمہیں کچھ ضرر نہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، دارمی اور احمد ترمذی کی روایت میں اسی کی مثل ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ بولیں یارسُول اللہ میں روزہ دار تھی تو فرمایا نفلی روزہ دار اپنے نفس کا خود مختار ہے اگر چاہے روزہ پورا کرے اگر چاہے افطار کرے۔

☆تشریح

غالبًا مجلس کی یہ ترتیب حضور ﷺ کے حکم سے تھی کیونکہ اُمِّ ھانیؓ فاطمۃ الزہراؓ کی نند بھی تھیں اور پھوپھی بھی۔ عمر میں آپ سے بڑی تھیں اس لئے انھیں حضور ﷺ نے بائیں طرف بٹھایا اور اُمِّ ھانیؓ کو دائیں طرف۔ اب بھی اجتماع کے موقعہ پر نشست گاہوں میں مرتبہ کے مطابق ترتیب چاہئے۔ غالبًا یہ واقعہ حضرت اُمِّ ھانیؓ کے گھر میں نہ ہوا کیونکہ اگر آپ کے گھر ہوتا تو آپ خود میزبانی کا شرف حاصل کرتیں۔ یہ واقعہ کسی دوسرے کے گھر ہوا ہوگا۔ خیال رہے حضرت اُمِّ

ھانیؓ نے مکہ معظمہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔

(مراعات)

سنت یہ ہے کہ مجلس میں پانی وغیرہ کا برتن پہلے بزرگ کی خدمت میں پیش کیا جائے پھر داہنی طرف دور چلے اگرچہ اس طرف چھوٹا آدمی یا بچہ ہی کیوں نہ ہو اور بائیں جانب اگرچہ بڑا آدمی ہو پھر بھی داہنی طرف سے دیا جائے۔ حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عزیز قرابت دار مرد و عورت ایک دوسرے کا جوٹھا پانی پی سکتے ہیں جن روایات میں ہے کہ عورت مرد کا اور مرد عورت کا جوٹھا نہ پیئے وہاں اجنبی لوگ مراد ہیں۔

سبحان اللہ حضرت ام ھانیؓ کا کیا عجیب عمل ہے کہ پہلے آپ نے روزہ توڑا پھر مسئلہ پوچھا ان کے نزدیک حضور ﷺ کا پس خوردہ تبرک پینا روزے سے افضل تھا۔ ان کے دل نے فتویٰ دیا کہ روزے کی قضاء یا کفارہ ادا کر لوں گی۔ مگر حضور ﷺ کا جوٹھا پھر کہاں ملے گا۔ عشق کے رنگ ہی نرالے ہیں۔

شعر

نیست ایں باراں ازیں ابر شما
ہست باراں دیگر و دیگر سما

ترجمہ = یہ اس بادل کی بارش نہیں ہے۔ یہ بارش بھی اور ہے اور آسمان بھی دوسرا ہے

عشق کا مدرسہ ہی دوسرا ہے اور اس کے آسمان و زمین ہی کچھ اور ہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت ام ھانیؓ کو گویا بتایا کہ اگر یہ روزہ نذر یا قضائے رمضان کا تھا تب تو اس کا توڑنا منع تھا۔ اور اگر محض نفلی تھا تو توڑنا بالکل جائز اگرچہ

اس کی قضاء واجب- اس سے معلوم ہوا کہ مرید یا شاگرد اپنے پیر یا استاد کے تبرک کھانے کے لئے نفلی روزہ توڑ سکتا ہے -دعوت کی طرح یہ بھی روزہ توڑنے کا ایک عذر ہے-

حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے قضاء واجب نہیں لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہاں گناہ کی نفی ہے نہ قضاء کی -

اَمِیْرُ نَفْسِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کسی موقعہ پر افطار بہتر سمجھے تو توڑ سکتا ہے- (مراءت)

☆ حدیث نمبر ۱۲۰

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْاٰنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّھَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّھَارِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ-

(مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

☆ترجمہ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صرف دو آدمیوں پر غِبطَه ہے ایک وہ جس کو اللہ نے علمِ قرآن دیا وہ دن رات اسے پڑھتا ہو- دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو وہ دن رات اس سے خیرات کرتا ہو- (بخاری و مسلم)

☆تشریح

حدیث پاک میں لفظ حسد بمعنی غِبطَه، رشک ہے- حسد تو کسی پر جائز نہیں نہ دنیادار پر نہ دین دار پر- شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی دینی عظمت پر حسد ہوا تھا نہ کہ دنیاوی مال و دولت پر- مگر وہ مارا گیا- حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت پر جلنا اور اس کا زوال چاہنا اور رشک کے معنی ہیں دوسرے کی سی نعمت اپنے لئے بھی چاہنا- دینی چیزوں میں رشک جائز ہے-

علمِ قرآن ملنے سے مراد ہے کہ وہ آدمی عالمِ دین ہو دن رات نمازیں پڑھتا ہو قرآن پر عمل کرتا ہو، ہر وقت اس کے مسائل سوچتا ہو اس میں غور و تامل کرتا ہو- تلاوتِ قرآن کرتا ہو- لفظ يَقُومُ میں یہ سب کچھ داخل ہے- مبارک ہے وہ زندگی جو قرآن و حدیث میں تامل و غور کرنے میں گزر جائے اور مبارک ہے وہ موت جو قرآن و حدیث کی خدمت میں آئے- اللہ ہم سب کو نصیب کرے- آمین-

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

انسان جس شغل میں جئے گا اسی میں مرے گا اور انشاء اللہ اسی میں اُٹھے گا۔
مشکوٰۃ شریف میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ قبر میں بھی سورۃ ملک پڑھتے سُنے گئے۔
چونکہ خفیہ خیرات علانیہ خیرات سے افضل ہے اس لئے یہاں رات کا ذکر پہلے آیا یعنی وہ مالدار خفیہ بھی خیرات کرے اور علانیہ بھی۔ خیال رہے کہ سنّت کی نیّت سے اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

(مرأت)

شرح مسلم میں ہے کہ علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں کہ حسد کی دو قسمیں ہیں۔
مذموم اور محمود ۔ مذموم یہ ہے کہ تم یہ تمنا کرو کہ تمہارے مسلمان بھائی پر جو اللہ کی نعمت ہے وہ زائل ہو جائے اور حسد محمود (بمعنی رشک) کی حقیقت یہ ہے کہ تم یہ تمنا کرو کہ جو خیر اور نعمت تمہارے بھائی کو حاصل ہے وہ نعمت اس کے پاس بھی رہے اور تم کو بھی حاصل ہو جائے اس کو منافسۃ بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ
(اور رغبت کرنے والوں کو اسی (نیک جنتی لوگوں) میں رغبت کرنی چاہئے)

(شرح مسلم)

☆ حدیث نمبر ۱۲۱

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَرَاَ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ -

(مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

☆ترجمہ

حضرت معقل ابن یسارؓ ، وہ نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو صبح کے وقت تین بار یہ کہہ لے گا میں سننے والے ۔ جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے - پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر (70) ہزار فرشتے مقرر فرمائے گا جو شام تک اُسے دعائیں دیں گے اور اگر یہ اُس دن مر جائے تو شہید مرے گا اور جو یہ چیزیں شام کے وقت پڑھ

لے تو اسی درجہ میں ہو گا۔

(ترمذی، دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

☆ تشریح

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ یعنی میری بات سننے والے میرا درد دل جاننے والے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ خیال رہے کہ اَعُوْذُ جملہ خبریہ ہے۔ بمعنی انشاء یعنی اے اللہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ تاکہ دن بھر وہ مردود مجھے بہکا نہ سکے۔ عبادتوں میں دھیان ہٹا نہ سکے۔ چونکہ سویرا زندگی کی دکان کھلنے کا وقت ہے اس لئے خصوصیت سے اسی وقت یہ دعا پڑھوائی گئی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ سے آخر سورۃ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ تک یہ آیات خالص حمد کی ہیں۔

یہاں فرشتوں کی دعا سے ان کی خصوصی دعائیں مراد ہیں ورنہ فرشتے عمومی دعائے مغفرت تو ہر مسلمان کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اور شہید سے مراد شہادت حکمی ہے کہ مُردہ اگرچہ اپنے بستر پر مرے مگر قیامت میں اس کا شمار ان شہداء میں ہو جو راہِ خدا میں مارے گئے۔

لغت میں صباح آدھی رات سے زوال تک کو کہتے ہیں اور مساء زوال سے اول نصف رات تک کو مگر اوراد و وظائف میں صبح صادق سے سورج نکلنے سے کچھ بعد تک ہے اور شام اس کے مقابل یعنی سورج چھپنے سے کچھ رات گئے یعنی وقتِ عشاء آنے سے پہلے تک۔

(مرقات)

☆☆☆☆☆

تمام شد

تمام شد فصل الخطاب حصہ ثانی

بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ وَ اِحْسَانِہٖ

حصہ ثالث کا کام شروع ہے انشاء اللہ جلد ہی
آپکی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

خوشا مسجد و منبر و خانقاہے

کہ در وے بود قیل و قال محمد

دار العلوم جامعہ مقبولیہ مطلوبیہ نقشبندیہ للہ شریف

زیر سرپرستی صاحبزادہ الحاج پیر محمد مطلوب الرسول للہی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ للہ شریف
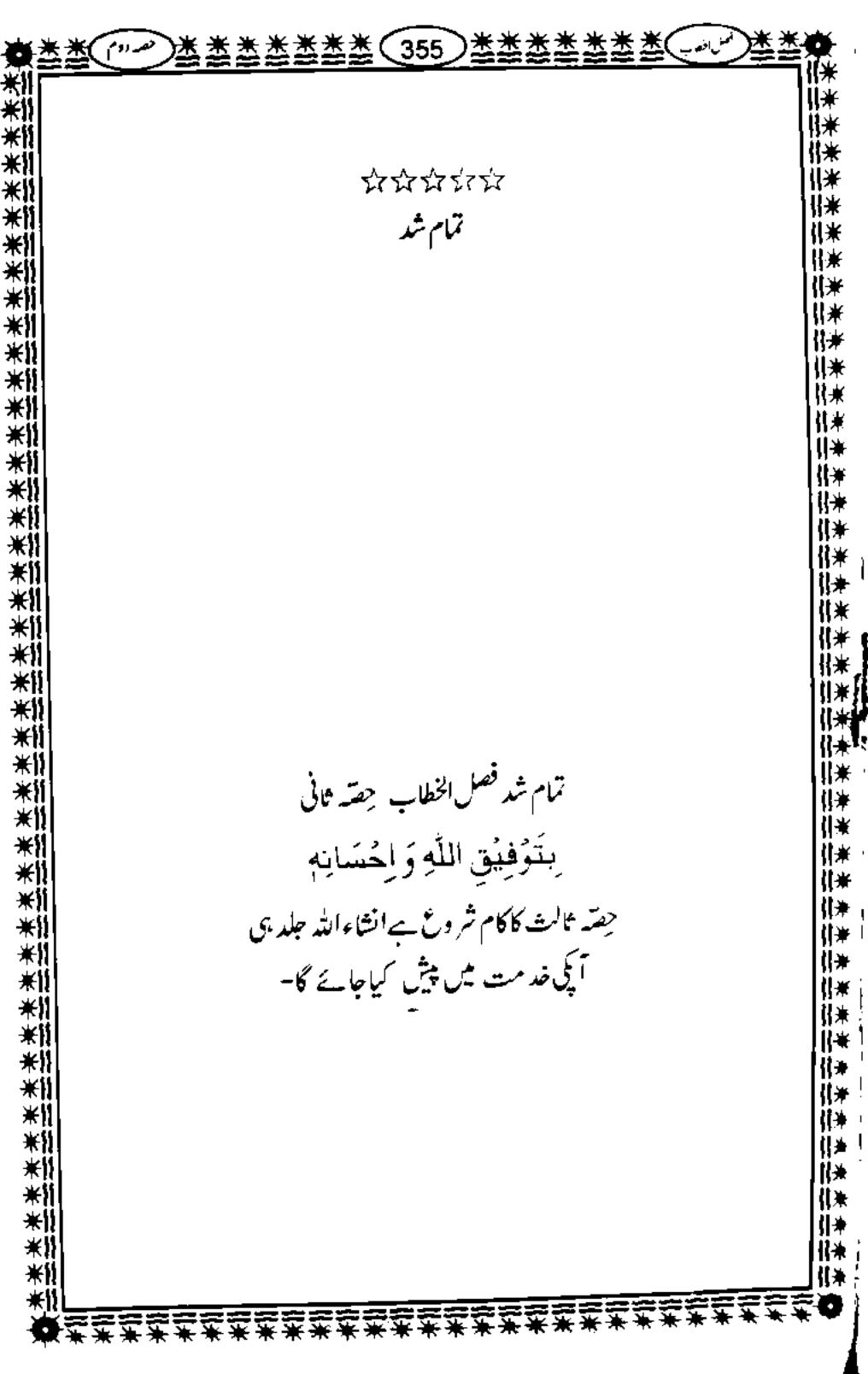
ادارہ ہذا ایک سو اکسٹھ (161) سال سے تشنگان علم وادب کو سیراب کر رہا ہے۔
شعبہ حفظ و ناظرہ میں درس و تدریس کی ساتھ ساتھ فقہ، حدیث وغیرہ اور میٹرک تک مقامی، غیر مقامی طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ قیام و طعام اور لباس ادارہ کے ذمہ ہے۔ غریب طلباء کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ اس وقت دو سو طلباء نور قرآن سے اپنے قلوب منور کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ حکومتی تعاون کے بغیر ہو رہا ہے۔ تاہم مخیّر حضرات کا تعاون قابل صد تحسین ہے۔ دار العلوم میں آٹھ اساتذہ متعین ہیں مزید برآں ادارہ میں سال بھر میں مذہبی تقریبات کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ جو ذیل ہیں:۔

☆ ۱۲ ربیع الاول میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ وجلوس

☆ عرس اعلیٰ حضرت حافظ غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ۲۶ رجب المرجب شب معراج صلی اللہ علیہ وسلم

☆ ۷ رمضان المبارک عرس حضرت ثالث عبد الرسول رحمۃ اللہ علیہ

☆ ۱۸ ذوالحجہ عرس ثانی حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ

منجانب: ادارہ دار العلوم جامعہ مقبولیہ مطلوبیہ نقشبندیہ للہ شریف (ضلع جہلم)

خوشا مسجد و منبر و خانقاہے
کہ دروے بود قیل و قال محمدؐ

دارالعلوم جامعہ مقبولیہ مطلوبیہ نقشبندیہ للہ شریف

زیر سرپرستی صاحبزادہ الحاج پیر محمد مطلوب الرسول للہی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ للہ شریف

ادارہ ہذا ایک سو اکسٹھ (161) سال سے تشنگانِ علم و ادب کو سیراب کر رہا ہے۔
شعبہ حفظ و ناظرہ میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث وغیرہ اور میٹرک تک مقامی و غیر مقامی طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ قیام و طعام اور لباس ادارہ کے ذمہ ہے۔ غریب طلباء کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ اس وقت دو سو طلباء نورِ قرآن سے اپنے قلوب منور کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ حکومتی تعاون کے بغیر ہو رہا ہے۔ تاہم مخیر حضرات کا تعاون قابلِ صد تحسین ہے۔ دارالعلوم میں آٹھ اساتذہ متعین ہیں مزید برآں ادارہ میں سال بھر میں مذہبی تقریبات کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ جو ذیل ہیں:۔

- ☆ ۱۲ ربیع الاول میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، جلسہ و جلوس
- ☆ عرس اعلیٰ حضرت حافظ غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ ۲۶ رجب المرجب شب معراج صلی اللہ علیہ وسلم
- ☆ ۷ رمضان المبارک عرس حضرت ثالث عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ ۱۸ ذوالحجہ عرس ثانی حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ

منجانب:۔ ادارہ دارالعلوم جامعہ مقبولیہ مطلوبیہ نقشبندیہ للہ شریف (ضلع جہلم)